083768

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

عیسائیت کے بنیادی عقیدہ الوہیتِ مسیحؑ پر

تحریری مناظرہ

مابین

عیسائی مناظر پادری عبدالحق اور اسلامی مناظر ابو العطاء جالندھری

الفہرست

۱- حرفِ آغاز	۳
۲- الوہیتِ مسیحؑ پر پادری صاحب کا پہلا پرچہ	صفحہ ۶
۳- ضروری نوٹ	صفحہ ۲۶
۴- الوہیتِ مسیحؑ کی تردید میں ہمارا پہلا جوابی پرچہ	صفحہ ۳۱
۵- پادری صاحب کا دوسرا پرچہ	صفحہ ۶۹
۶- ہمارا دوسرا جوابی پرچہ (چھ حصوں میں)	صفحہ ۱۱۴
۷- پادری صاحب کی انکاری چٹھی اور ہمارا جواب	صفحہ ۲۲۵
۸- سیدی حضرت میرزا بشیر احمد صاحب مدظلہ العالی کا گرامی نامہ	صفحہ ۲۳۳

ملنے کا پتہ: مکتبہ الفرقان ربوہ (پاکستان)

قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حرفِ آغاز

گزشتہ سال ماہِ اکتوبر میں عیسائیوں سے مشہور لاجواب گفتگو یعنی "مباحثہ مصر" کا اُردو ایڈیشن مستقل کتاب کی صورت میں اشاعت پذیر ہوا۔ اس مطبوعہ مباحثہ کو میں نے بذریعہ رجسٹری جناب پادری عبدالحق صاحب کے نام بھجواتے ہوئے لکھا تھا کہ :۔

"میں توقع رکھتا ہوں کہ آپ ان دلائل پر غور کرینگے جو اس رسالہ میں مندرج ہیں اور اگر انہیں درست پائیں گے تو انہیں قبول فرمائیں گے اور اگر بائیبل سے ماخوذ یہ دلائل آپ کے خیال میں غلط ہیں تو ان کی تردید مہذبانہ طریق پر رسالہ کی صورت میں فرما کر ممنون فرمائیں گے۔ میرا یقین ہے کہ آپ ان کی ہرگز تردید نہیں کر سکیں گے۔ نیز اگر آپ علیحدہ طور پر الوہیتِ مسیحؑ یا حضرت مسیحؑ کی صلیبی موت پر نیا مستقل تحریری مناظرہ کرنا پسند کریں تو ہماری طرف سے اِس بارے میں کھلی دعوت ہے۔"

جناب پادری عبدالحق صاحب نے شروع میں نہایت تلخ الفاظ میں جواب دیا تھا۔ آخر لمبی خط و کتابت نیز مورخہ ۱۱ر اپریل ۶۲ء کی زبانی گفتگو اور تحریری بیانات کے بعد یہ صورت پیدا ہوئی کہ پادری صاحب "قہرِ درویش برجانِ درویش" کے مطابق الوہیتِ مسیحؑ کے موضوع پر تحریری مناظرہ کے لئے آمادہ ہو گئے اور انہوں نے "ابن اللہ کا تجسم" عنوان

مقرر کر کے چنڈی گڑھ (بھارت) سے اپنا پہلا پرچہ مجھے ماہ مئی ۶۲ء میں ربوہ (پاکستان) بھجوا دیا۔

ابھی فریقین کے دو دو پرچے ہوئے تھے کہ پادری عبد الحق صاحب عاجز آگئے اور ہمارے دلائل کا جواب نہ پا کر ناراض ہو گئے۔ انہوں نے معمولی سا بہانہ (جیسے تارِ عنکبوت کہنا بھی جائز نہیں) بنا کر ہمارے پرچہ کا جواب لکھنے سے انکار کر دیا۔ اس پر ہم نے انہیں تحریری مناظرہ کو جاری رکھنے کی پُرزور ترغیب دی مگر بے سود۔ پادری صاحب کی انکاری چٹھی اور ہمارا جواب بھی آخر میں شامل ہے۔ پادری صاحب نے شروع سے ہی جو انداز اختیار کیا تھا ان کی اخلاقی اور علمی کمزوری پر گواہ ہے۔

بہر حال اب فریقین کے دو دو پرچے اپنی اصلی صورت میں قارئین کرام کے سامنے ہیں۔ ہر منصف مزاج عقلمند انسان انہیں پڑھ کر بخوبی سمجھ سکتا ہے کہ دلائل کے رُو سے الوہیتِ مسیح کے عقیدہ کی کوئی بنیاد نہیں ہے۔ ہمارے خیال میں یہ تحریری مباحثہ ایک جویائے حق کے لئے مشعلِ راہ ہے۔ عیسائیوں کا چوٹی کا پادری جسے اپنے "علم" پر بے حد فخر رہے الوہیتِ مسیح کے بارے میں جو کچھ لکھ سکتا تھا وہ سب کچھ پادری عبد الحق صاحب نے لکھ دیا ہے۔ مگر اس کے مقابلہ پر دلائلِ عقلیہ و نقلیہ کے درخشندہ مجموعہ اور زبردست کثرت کو دیکھ کر پادری صاحب سراسیمہ ہو گئے اور انہوں نے مناظرہ کو جاری رکھنے سے انکار کر دیا۔

تحریری مناظرہ کا عظیم فائدہ یہ ہے کہ ایک تو وہ محفوظ رہ جاتا ہے اور شائع

ہو سکتا ہے۔ دوسرے کوئی فریق اس کے متعلق غلط بیانی نہیں کر سکتا۔ قارئین کرام فریقین کی تحریرات کو پڑھ کر خود فیصلہ فرما سکتے ہیں۔

الحمد للہ کہ الوہیت مسیح کے متعلق یہ مناظرہ ہو گیا ہے۔ اب ہم پادری عبد الحق صاحب بلکہ ہر عیسائی پادری سے اس تحریر کے ذریعہ مزید درخواست کرتے ہیں کہ اگر وہ پسند کریں تو "حضرت مسیح کی صلیبی موت" پر بھی ایک باقاعدہ تحریری مناظرہ ہو جائے۔ جس میں فریقین کے دلائل اور اعتراضات یکجا طور پر جمع ہو جائیں۔ کیا کوئی پادری صاحب اس کے لئے تیار ہوں گے؟ ہمارا یقین ہے کہ الوہیت مسیح پر اس تحریری مباحثہ کے قارئین کی دلی خواہش ہو گی کہ عیسائیت کے اس بنیادی مسئلہ پر بھی تحریری مناظرہ ہو جائے کہ آیا مسیح صلیب پر فوت ہو گئے تھے؟ کیونکہ اگر یہ ثابت ہو جائے کہ مسیح صلیب پر فوت نہیں ہوئے تو صلیب کا عقیدہ بالکل پاش پاش ہو جاتا ہے۔ ہم اس مباحثہ کے عیسائی قارئین سے توقع رکھتے ہیں کہ وہ اپنے کسی پادری صاحب کو بالخصوص پادری عبد الحق صاحب کو اس پر آمادہ کرنے کی کوشش فرمائیں گے۔

سب جانتے ہیں کہ زبانی تُو تُو مَیں مَیں سے ہزار درجہ یہ بہتر ہے کہ فریقین اپنے اپنے دلائل اور مخالف کے اعتراضات کے جواب قلمبند کریں اور اسے بعد میں شائع کر دیا جائے۔ اسی لئے ہم پُر زور درخواست کرتے ہیں کہ کوئی محقّق پادری صاحب حضرت مسیح کی صلیبی موت کے بارے میں تحریری مناظرہ

کے لئے آمادہ ہو جائے۔

ہمارا دعویٰ ہے کہ حضرت مسیح نے صلیب سے نجات پائی۔ وہ صلیب پر فوت نہیں ہوئے۔ ہم اس دعویٰ کو عقل و نقل اور خود بائیبل سے ثابت کرنے کے ذمہ وار ہیں۔ فریقین کے کُل سات پرچے ہو جائیں تو طالبانِ حق کو ایک اُور موازنہ کا موقعہ مل سکتا ہے۔

بالآخر دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتابچہ کو اپنے فضل سے مفید، بابرکت اور نافع النّاس بنائے اور اپنے حضور قبول فرمائے۔ آمین۔

ربوہ۔ پاکستان

۱۰ اکتوبر ۱۹۶۲ء

خاکسار

ناچیز۔ خادمِ اسلام

ابوالعطاء جالندھری

الوہیتِ مسیحؑ پر پادری عبدالحق صاحب کا پہلا پرچہ

مولوی "ابوالعطاء" صاحب! بعد ما وجب - اپنی پہلی چٹھیوں میں ہم نے آپ کے حقیقی نام "اللہ دتا" سے آپ کو مخاطب کیا لیکن آپ کی زبانی معلوم ہوا کہ اپنے حقیقی نام سے آپ کو چڑ ہے - اس لئے آپ کے پسندیدہ نام "ابوالعطاء" سے آپ کو خطاب کر رہے ہیں - ہم نے اپنی طرف سے آپ کے مناظرہ کو ٹالنے کے ہر حیلہ اور بہانہ کے ازالہ کی امکان بھر کوشش کی حتّٰی کہ مرزا صاحب قادیانی کے مبینہ "دارالامان" سے آپ کو بدکتا پاکر ہو دی جماعت کے مقصود "مدینۃ المسیح" میں بھی پہنچ گئے - لیکن نہ آپ کو اور نہ آپ کی جماعت کے کسی اور نمائندہ کو یہ جرأت ہو سکی کہ ہمارے مقابل مساوی حیثیت میں اکیلا بیٹھ کر پرچے لکھنے کی شرط پر تحریری مناظرہ کے لئے تیار ہو - حالانکہ جس عقیدہ کی تصدیق و تشریح اس کے معتقدین میں کوئی عالم بھی نہ کر سکے اس کے متعلق انفرادی ایمان باطل ٹھہرے گا - آپ محض شیخی بگھارنے کے لئے ہمیں چیلنج تو دے بیٹھے لیکن مناظرہ کرنے کی ہمت و استعداد نہ رکھنے کی وجہ اور آئی بلا کو ٹالنے کی غرض سے یک طرفہ طریق سے دو غیر معقول باتوں پر تحکم محض کی صورت میں اڑ گئے - ایک تو اس بات پر

کہ مساوی حیثیت اور مقررہ اوقات میں ہمارے مقابل اکیلے بیٹھ کر پرچے لکھنے کی بجائے آپ کو ربوہ میں بیٹھ کر دو ہفتوں تک اپنے بہت سے ہم پیشوں کی مدد سے پرچے لکھنے کی کھلی چھٹی مل جائے۔ مگر بایں ہمہ وہ پرچے احمدی جماعت کے بہت سے علماء کی طرف سے بحیثیتِ اجتماعی تیار کردہ نہ سمجھے جائیں گے۔ بلکہ دستخط اس پر اکیلے مولوی "ابوالعطاء" صاحب کے ہوں گے۔ اور خلافِ واقع وہ انہی کا کارنامہ مفروض ہوں گے۔ اور دوسرے اس بات پر کہ یا تو ہمارے مقدم عقیدہ "تثلیث فی التوحید" کی بجائے الوہیتِ مسیح پر پہلے مناظرہ ہو۔ اور یا اس کے مقابل آپ کے مسلّمہ عقیدہ توحید پر مناظرہ کو مقدّم نہ رکھا جائے جس سے صاف ظاہر ہے کہ آپ ہم سے دینِ اسلام کے اصل الاصول یعنی عقیدہ توحید پر مناظرہ کرنے سے کتراتے ہیں۔ ناچار ہم نے اپنی پیش کردہ شرائط کے برحق اور مبنی بر انصاف ہونے کے اثبات کے لئے تین غیر جانبدار مسلم علماء کو ثالث بنانے کی پیشکش بھی کی۔ جس کو آپ نے کوئی برہان پیش کئے بغیر ٹھکرا دیا۔ اب ہم آپ کو در خانہ تک پہنچانے کے لئے اس سلسلہ میں آخری چیلنج دیتے ہیں کہ اگر آپ ٹھوس مضامین پر اسی ترتیب کے ساتھ جو کہ طرفین کی چٹھیوں سے مستنبط ہوتی ہے آپ کو یا آپ کی جماعت کے کسی اور نمائندہ کو ہمارے مقابل مساوی حیثیت سے قادیان "دارالامان" میں تقریری و تحریری مناظرہ کرنے کی ہمت و استعداد ہو تو ہم اس کے لئے بلا چون و چرا تیار ہیں اور اس

چٹھی کے آپ تک پہنچنے کے بعد تین ماہ تک اگر آپ کی طرف سے کوئی شخص اس امر کے لئے آمادہ نہ ہو سکا تو یہ امر آپ کی اور بہ ادعاء شما آپکے "کاسرِ صلیب" کی ساری جماعت کی کھلی شکست اور صریح عجز پر دال ہوگا اور "کسرِ صلیب" کی بجائے قسرِ صلیب کے اعتراف کا ایک اور ثبوت بہم پہنچے گا۔

ہمارے نزدیک جب تک تثلیث فی التوحید کا اثبات نہ ہو لے اس سے پہلے مسئلہ الوہیت مسیح (جو اس پر مبنی اور اس سے متاخر ہے) پر بحث و نظر نہیں ہو سکتی۔ لیکن "اثبات التثلیث فی التوحید" کے نام سے ہمارا جواب الجواب جو میر محمد اسحاق صاحب قادیانی اور مولوی ثناء اللہ صاحب امرتسری کے مقابل ۱۹۳۹ء (طبع دوم) کتابی صورت میں شائع ہو چکا ہے۔ اس کے بعد آج تک اس پر کسی نے قلم نہیں اٹھایا۔ اس لئے اس موضوع پر مزید لکھنے کی علی الحال ضرورت نہیں۔ اور چونکہ آپ اور آپ کا کوئی اور ہمکیش نہ اس کتاب کا رد لکھنے کے قابل ہے اور نہ ہم سے توحید باریتعالیٰ پر مساوی حیثیت سے مناظرہ کرنے کو تیار۔ لہذا ہم آپ کے تحکم محض پر مبنی اور یک طرفہ مطالبہ کے مطابق ابن اللہ کے تجسم پر ہی مضمون لکھ کر بھیج رہے ہیں۔ پس آپ اپنے سارے معاونین سمیت اجتماعی حیثیت میں اس کا جواب لکھ کر پرچہ پہنچنے کے بعد دو ہفتہ تک ہمارے پتہ پر رجسٹرڈ بھیج دیں۔ اور یہ سلسلہ اُس وقت تک جاری رہے گا جب تک آپکو اس مسئلہ پر مطلوبہ سیری حاصل نہ ہو یا ہمارے پیش کردہ دلائل کے تحقیقی جواب سے

آنا کانی نہ کریں۔ خادم عبدالحق

ابن اللہ کا تجسم

(۱) خالقِ کائنات کو اگر تخلیقِ عالم کی علّتِ ناقصہ قرار دیا جائے تو تعددِ قدما لازم آئے گا۔ اور اگر علّتِ تامہ تو تخلّف معلول محال ہونے کی جہت سے یا تو مخلوقات کا ازلی ہونا لازم آئے گا اور یا ازلی علّتِ تامہ سے حادث معلولات کا صدور بواسطہ علّتِ محدثہ ماننا پڑے گا۔ کہ جس سے معلولات محدثہ کا ارتباط علّتِ قدیم سے ممکن ٹھہرے۔ پس قدیم ملّت عقیدہ سے محدثات کا صدور بواسطہ علّتِ محدثہ ماننا لازم آئے گا۔ جو بطورِ حقیقی اضافی کے ہو گی یعنی بحیثیت ذات ازلی اور بحیثیت اضافت حادث۔

اور اس مبرہن حقیقت کے مقابل یہ عذر باطل ٹھہرتا ہے کہ فاعل بالارادہ سے تخلّف معلول ممکن ہے۔ کیونکہ اگر یہ کہا جائے کہ جس وقت فاعل مختار نے ارادہ کیا اس وقت معلول صادر ہو گیا۔ تو اس صورت میں معلول کے حدوث کے ساتھ ارادہ کا حدوث لازم آئے گا۔ اور یوں جس کو علّتِ تام فرض کیا گیا تھا وہ ارادہ سے پیشتر علّتِ تام نہ رہے گی۔ پس فاعل جبکہ تام الفاعلیۃ ہو اور اس کی تاثیر کسی اور امر پر موقوف نہ ہو یعنی جمیع ما یتوقف علیہ التاثیر اس کو حاصل ہو تو اس سے تخلّف معلول ممتنع ہو گا۔ ازیں جہت کہ

باوجود علت تام ہونے کے ایک زمانہ میں اس سے معلول صادر نہ ہونے اور دوسرے زمانہ میں صادر ہونے سے ترجیح بلا مرجح لازم آئے گی۔

استدلال انّی کے رو سے ازلی خالق سے حادث مخلوقات کے صدور کی مثال یہ ہے کہ جن باتوں کا علم ہمارے ذہن میں پہلے سے موجود ہوتا ہے ان کو زمانہ مابعد میں ہم اپنے کلام کے وسیلہ سے بیان کرتے ہیں۔ اس طرح ان باتوں کے متعلق ہمارا علم تو پیشتر سے اور یکساں ہوگا۔ لیکن ان کا بیان اس کے بعد اور بتدریج۔ اور ان کا علم تو ہمارے ذہن سے متعلق ہوگا اور بیان خارج سے۔ اسی مثال کے مطابق کتاب مقدس میں مذکور ہے کہ خالق کائنات کے ازلی وحضوری علم میں تو سب زمانے یکساں ہیں:۔ "خداوند کے نزدیک ایک دن، ہزار برس کے برابر ہے اور ہزار برس ایک دن کے برابر" (۲ پطرس ۳: ۸) "کیونکہ تیری نظر میں ہزار برس ایسے ہیں جیسے کل کا دن جو گذر گیا اور جیسے رات کا ایک پہر" (زبور ۹۰: ۴) پس ساری مخلوقات اس کے علم میں ازل سے ہے:۔ "اور جو چیزیں نہیں ہیں ان کو اس طرح بلا لیتا ہے کہ گویا وہ ہیں" (رومیوں ۴: ۱۷) "ایمان ہی سے ہم معلوم کرتے ہیں کہ عالم خدا کے کہنے سے بنے ہیں۔ یہ نہیں کہ جو کچھ نظر آتا ہے ظاہری چیزوں سے بنا ہو۔" (عبرانیوں ۱۱: ۳) "کیونکہ اس نے فرمایا اور ہو گیا اس نے حکم دیا اور واقع ہوا۔" (زبور ۳۳: ۹) لیکن کلام خدا جو واسطہ تخلیق اور علت محدثہ

ہے وہ کوئی حادث اور مخلوق شئے نہیں ہو سکتی۔ ورنہ اس کے اور ازلی خالق کے درمیان ایک اور واسطہ درکار ہوگا اور اس واسطہ میں پھر بھی کلام ہوگا حتیٰ کہ تسلسل لازم آئے گا۔ لہٰذا کتاب مقدس میں اس کلامِ خدا کے متعلق جو واسطۂ تکوینِ عالم ہے یہ وضاحت پائی جاتی ہے ۔ "ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا یہی ابتدا میں خدا کے ساتھ تھا۔ سب چیزیں اسی کے وسیلہ سے پیدا ہوئیں اور جو کچھ پیدا ہوا ہے اس میں سے کوئی چیز بھی اس کے بغیر پیدا نہیں ہوئی" (یوحنا ۱: ۱-۳) اس سے ظاہر ہے کہ کلامِ خدا جو علّتِ محدثہ ہے وہ علّتِ مفیدہ سے باطنی امتیاز کے باوجود ذات میں واحد ہے۔

پھر اس کلام کے متعلق لکھا ہے کہ :- "کلام مجسّم ہوا اور فضل اور سچائی سے معمور ہو کر ہمارے درمیان رہا اور ہم نے اس کا ایسا جلال دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال" (یوحنا ۱: ۱۴) اس بیان سے واضح ہے کہ اقنوم اوّل یعنی علّتِ مفیدہ کے لئے "باپ" اور اقنوم ثانی یعنی علّتِ محدثہ کے لئے "اکلوتے" کا لفظ مثالی معنوں میں استعمال ہوا ہے اور لفظ "ایسا" اور "جیسا" اس امر پہ دلالت صریح ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ کلام تکوینی اور علّتِ محدثہ کو ہی جسم میں ظہور پہ اکلوتے بیٹے کی مثال ٹھہرایا گیا۔ اور اسی کے مطابق نامۂ عبرانیوں میں بھی پیدائشِ عالم کو خدا کے کہنے سے منسوب

کرنے (عبرانیوں ۱۱: ۳) کے باوجود یہ لکھا ہے کہ: "اگلے زمانہ میں خدا نے حصہ بہ حصہ اور طرح بہ طرح نبیوں کی معرفت کلام کر کے اس زمانہ کے آخر میں ہم سے بیٹے کی معرفت کلام کیا.. اور جس کے وسیلہ سے اس نے عالم بھی پیدا کئے" (عبرانیوں ۱: ۱ و ۲) پس دونوں جگہ کلام خدا اور بیٹے سے مراد واحد شخص ہے جو کہ مخلوقات کی علتِ محدثہ ہے اور جس کا ظہور زمانہ کے آخر میں خداوند یسوع مسیح کی بشریت میں ہوا۔

نیز چونکہ خدا تعالیٰ کو "نور" سے مثال دی گئی ہے (۱ یوحنا ۱: ۵) اس لئے بیٹا جو ازلی نور کا ازلی ظہور ہے "وہ اس کے جلال کا پرتو اور اس کی ذات کا نقش" ہے۔ (عبرانیوں ۱: ۳) اور اس میں شک نہیں کہ مخلوقات میں ہر زندگی کے کمال کا اقتضا ہے کہ وہ اپنی ماہیت کے قیام ظہوری کیلئے مستعد ہو۔ لیکن جسمانی زندگی سے یہ قیام بطور ظہور تجزی کے ہوتا ہے مگر نور سے ظہور بطور تجلّی کے ہوگا۔ جیسے کہ آفتاب سے شعاعِ نور کا ظہور۔ پس از روئے استدلال انی، حقیقی نور سے حقیقی نور کا ظہور ہوگا (یوحنا ۱: ۹ و ۱۰) اور حادث و محدود ماہیت سے تو ظہور، حادث و محدود و خارجی ہوگا لیکن ازلی و غیر محدود ماہیت کے ظہور ازلی و غیر محدود و باطنی ہوگا اور دونوں حیثیتوں یعنی باپ اور بیٹے میں باطنی امتیاز ضرور ہوگا۔ ورنہ مضافین کا انکار لازم آئیگا۔ اور تیسرا باطنی امتیاز، مضافین کی وحدت کے لئے ضرور ہوگا ورنہ دو غیر محدود

ماہیتوں کا استحالہ لازم آئے گا۔ کیونکہ غیر محدود ماہیت کو عدداً ایک یا ایک سے زائد فرض کرنے سے اس کی تحدید لازم آئے گی۔ نیز اگر ازلی نود سے ازلی ظہور کا انکار کیا جائے تو اس کی ازلی و باطنی اضافت کے بغیر اس سے حادث اور خارجی مضافات کا صدور اور اس کے باطنی امتیاز کے بغیر اس سے خارجی کثرت کا صدور محال ٹھہرے گا۔ پس حیثیتِ اولیٰ کو باپ اور حیثیتِ ثانی کو بیٹے کی مثال قرار دیا گیا ہے اور باپ، بیٹا جو مضافین ہیں۔ اور یہ اضافی نام باطنی امتیاز پر دلالت کرتے ہیں۔ ان کی باطنی وحدت کی حیثیت کو روح القدس سے تعبیر کیا گیا ہے۔ پس باپ۔ بیٹا۔ روح القدس کی باطنی تثلیث ذاتِ واحد واجب میں بمنزلہ محلِ صفات کے ہے اور کثرتِ صفات کی نسبت واحد ذات کے ساتھ محلِ صفات کے بغیر ممکن نہیں۔ پس مخلوقات کے قیام صدوری کے لئے باپ علتِ مفیدہ اور بیٹا علتِ محدثہ اور روح القدس علتِ مبقیہ ہے۔ چنانچہ ممکنات کے عدم پر وجود کی ترجیح کے لئے علتِ مفیدہ ضرور ہے اور ایک زمانہ میں صدور پر دوسرے زمانہ کی ترجیح کے لئے علتِ محدثہ اور ممکنات (جن کا بذاتِ خود نہ وجود ضروری ہے نہ عدم) میں بقا کی تاثیر کے لئے علتِ مبقیہ ضرور ہے۔

نیز چونکہ ازلی و غیر محدود ذات سے محدثات و محدودات کے لئے ہر طرح کا افادہ حقیقتِ اضافی کے واسطہ سے ہوگا اور روح القدس سے تاثیر

بقا بھی حقیقتِ اضافی کے واسطہ سے ہوگی۔ اس لئے ازلی و غیر محدود ذات کے حقیقی علم و عرفان سے کامل استفادہ کے لئے نوعِ انسان کے محدود و حادث قویٰ اور قابلیتوں کے موافق ظرفِ انسانیت میں کلمۃ اللہ کا محدود و حادث تجسّم ہی اعلیٰ و اقرب واسطہ ہو سکتا ہے۔ پس خداوند یسوع مسیح اگرچہ بحیثیت تشخص (پرسنلٹی) واحد اور الٰہی اقنوم ہے لیکن اس کی دو ذاتیں ہیں۔ ایک حقیقی و ازلی و غیر محدود یعنی الوہیت اور ایک اضافی و حادث و محدود یعنی انسانیت اور بحیثیت الوہیت کے وہ ابن اللہ ہے اور بحیثیت انسانیت کے وہ ابنِ انسان ہے۔ اور جیسے سورج کا انعکاس آئینہ میں بہ اعتبار کُروی شکل کے پورا اور بہ اعتبار جسامت کے آئینہ کی قابلیت کے موافق نہایت چھوٹا ہوگا۔ اسی طرح سے اگرچہ :۔ "خدا کے جلال کی پہچان کا نور یسوع مسیح کے چہرہ سے جلوہ گر" ہوتے (۲ کرنتھیوں ۴: ۶) اور "اَن دیکھے خدا کی صورت" ہونے (کلسیوں ۱: ۱۵ + یوحنا ۱: ۱۸ + ۱۴: ۹) کی وجہ سے :۔ "الوہیت کی ساری معموری اسی میں مجسّم ہو کر سکونت کرتی ہے" (کلسیوں ۲: ۹) تو بھی حقیقی اضافی الوہیت کے محدود و حادث ظرف میں تجسّم سے مظروف یعنی کلمۃ اللہ تو ذات و صفات میں کامل بالوجوب ہے لیکن ظرف یعنی انسانیت کی حیثیت میں خداوند یسوع مسیح نے "حکمت اور قد و قامت میں اور خدا اور انسان کی مقبولیت میں" بتدریج ترقی کی۔ (لوقا ۲: ۵۲) اور "دکھوں کے ذریعہ

سے کامل کیا گیا (عبرانیوں ۵: ۸ و ۹)

المختصر خداوند یسوع مسیح کی بشریت میں ابن اللہ کی ازلی وغیر محدود حقیقی الوہیت کا محدود وحادث وحقیقی اضافی تجسم ہوا۔ یعنی باپ اور رُوح القدس کے ساتھ اس کی وحدت کا علاقہ ازلی وغیر محدود وحقیقی اور بشریت کے ساتھ اس کی وحدت کا علاقہ حادث ومحدود وحقیقی اضافی۔ اس لئے اِس دُنیا کی فانی اور محدود ومتغیر جسمانی زندگی میں اس کی بشریت کی وحدت، ابن اللہ کی شخصیت کے ساتھ بلا واسطہ تھی۔ اور باپ اور روح القدس کے ساتھ بواسطہ ابن اللہ۔ لیکن صلیبی موت کے بعد غیر فانی حالت میں جی اُٹھنے اور لاہوتی مقام میں خدا کے دہنے سرفراز ہونے سے (مرقس ۱۶: ۱۹ + اعمال ۲: ۳۲ + افسیوں ۱: ۲۰ + عبرانیوں ۱: ۳ + ۱ پطرس ۳: ۲۲) وہ بشریت بھی بقاء اور بے حدی سے واصل ہو گئی۔ اور جیسے کہ ریڈیو کی لہروں سے انسانی صورت کا نشر اور ٹیلی ویژن کی لہروں سے انسانی جسم کی رؤیت وسعت اختیار کر لیتی ہے اسی کی مثال ابن اللہ اپنی انسانیت کی سرفرازی میں بھی باپ کے ساتھ اسی جلال سے جلالی بن گیا۔ جو وہ مضافات کے بغیر دُنیا کی پیدائش سے پہلے اس کے ساتھ رکھتا تھا۔ (یوحنا ۱۷: ۵)

(۳) خالقِ کائنات کی ہستی کا استدلالی علم بذریعہ مخلوقات بطور استدلال اِنّی کے حاصل ہو سکتا ہے۔ کیونکہ اُس کی اَن دیکھی صفتیں یعنی

اس کی ازلی قدرت اور الوہیت دنیا کی پیدائش کے وقت سے بنائی ہوئی چیزوں کے ذریعہ سے معلوم ہو کر صاف نظر آتی ہیں۔" (رومیوں ۱: ۲۰) لیکن استدلالی علم سے صرف اس کی ہستی اور قدرت کا ثبوت ملتا ہے اس کی ذات وصفات کی حقیقت کا علم حاصل نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ :- "وہ اس نور میں رہتا ہے جس تک کسی کی رسائی نہیں ہو سکتی۔ نہ اسے کسی انسان نے دیکھا ہے اور نہ دیکھ سکتا ہے۔" (۱۔تمتھیس ۶: ۱۶)

استدلالی علم کے سوا خدا تعالیٰ کی ذات وصفات کا علم مقدس نوشتوں کے ذریعہ سے حاصل ہو سکتا ہے :- "کیونکہ انسانوں میں سے کون کسی انسان کی باتیں جانتا ہے۔ سوا انسان کی اپنی روح کے جو اس میں ہے اسی طرح خدا کے روح کے سوا کوئی خدا کی باتیں نہیں جانتا۔ مگر ہم نے نہ دنیا کی روح بلکہ وہ روح پایا جو خدا کی طرف سے ہے تاکہ ان باتوں کو جانیں جو خدا نے ہمیں عنایت کی ہیں۔" (۱۔کرنتھیوں ۲: ۱۱ و ۱۲) لیکن الہامی کلام چونکہ انسانی بولی میں ہے اور :- "آدمی روح القدس کی تحریک کے سبب سے خدا کی طرف سے بولتے تھے" (۲۔پطرس ۱: ۲۱) اس لئے موضوعات لفظی میں ذات غیر محدود و ازلی و بے مثل کا بیان صرف مثالی طور پر ہی ہو سکتا ہے لفظی کلام میں اس کی حقیقت کا انکشاف بکلی محال و خارج از امکان ہے۔ چنانچہ جو الفاظ خدا تعالیٰ کی طرف سے بطور اسماء منسوب ہیں ان میں صرف یہی خوبی ہے کہ وہ

ذاتِ الٰہی کے لئے مختص ٹھہرائے گئے۔ ورنہ کوئی موضوع ومحدود ومرکب لفظ
ازلی وغیر محدود ولطیف ہستی کا حقیقی نام نہیں ہو سکتا۔ مثلاً لفظ اللہ عربی
زبان میں قرآن شریف سے پہلے موضوع ومروّج تھا۔ اسی طرح سے خدا،
گاڈ اور ایشور وغیرہ لفظی موضوعات کی نسبت بھی ذاتِ الٰہی کے لئے مختص
ٹھہرائی گئی۔ پھر اس کے صفات مثلاً علم۔ ارادہ۔ سمع۔ بصر وغیرہ کا مفہوم
بھی مثالی ہی ہو سکتا ہے۔ کیونکہ یہ الفاظ جن معنوں کے لئے وضع کئے گئے
اور آدمی اپنے محدود وحادث قویٰ سے ان کا جو مفہوم اخذ کر سکتا ہے
وہ یقیناً خدائے غیر محدود ازلی وبے مثل ولطیف حقیقی کا واقعی علم اور حقیقی
مفہوم نہیں ہو سکتا۔ پس مخلوقات کے ذریعہ سے خالق کا استدلالی علم حاصل
ہو سکتا ہے اور الہامی نوشتوں کے لفظی کلام کے ذریعہ سے اس کی حقیقت کا
مثالی علم۔ اور الہامی کلام پر خدا کے کلام کا اطلاق بھی بطور تسمیۃ الشئ باسم
مظروف ہوگا۔ جیسے کہیں کہ دریا بہتا ہے حالانکہ فی الواقع اس کا مظروف
یعنی پانی بہتا ہے۔ اسی طرح خدا تعالیٰ کی مرضی اور ذات وصفات کے مثالی
مکاشفہ کے لئے مقدس نوشتوں کا لفظی کلام بطور ظرف کے ہوگا اور نفسی
کلام بطور مظروف کے۔ اور کلام نفسی کا مثالی مفہوم مدرک ہوگا اور حقیقی
مفہوم غیر مدرک ہے"۔ واہ خدا کی دولت اور حکمت اور علم کیا ہی عمیق ہے۔
اور اس کے فیصلے کس قدر ادراک سے پرے اور اس کی راہیں کیا ہی بے نشان

ہیں"۔ (رومیوں ۱۱: ۳۳)

کائناتِ عالم میں ان دیکھی اور لطیف حقیقت کی کوئی مثال ہو سکتی ہے تو اعلیٰ مثال نفسِ ناطقہ یعنی انسانی رُوح کی ہے۔ جس کے صفات کا امکانی علم صرف اس جسم کے واسطہ سے ہو سکتا ہے جس سے اس کی مصاحبت بطور ظرف کے متعلق ہو۔ لہٰذا استدلال انّی کے رُو سے مثلاً خدا تعالیٰ کو "رُوح" کہا گیا ہے (یوحنا ۴: ۲۴) پس انسانی افراد اپنی محدود و حادث قوتوں اور قابلیتوں کے ساتھ ازلی و غیر محدود لطیف و بے مثل ذات و صفات کا امکانی علم، کامل اور حقیقی طور پر اس بشریت کے واسطہ سے ہی حاصل کر سکتے ہیں۔ جس کا الوہیت کے ساتھ مصاحبت و حقیقی اضافت کا ظرفی علاقہ ہے۔ اور اس اعلیٰ، کامل اور دائمی مظہر اللہ کے بغیر الٰہی ذات و صفات کے حقیقی علم و عرفان کا حصول قطعاً محال و ممتنع ہے۔ چنانچہ:۔ "خدا کا بیٹا آ گیا ہے اور اس نے ہمیں سمجھ بخشی ہے کہ اس کو جو حقیقی ہے جانیں اور ہم اس میں جو حقیقی ہے یعنی اس کے بیٹے یسوع مسیح میں ہیں۔ حقیقی خدا اور ہمیشہ کی زندگی یہی ہے۔ اے بچو! اپنے آپ کو بتوں سے بچائے رکھو" (۱۔یوحنا ۵: ۱۹ و ۲۰) پس نوعِ انسان کے لئے خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کے حقیقی علم و عرفان کا امکانی حصول، خدا کے بیٹے کے واسطہ سے ہی ممکن ہے۔ کیونکہ:۔ "کوئی نہیں جانتا کہ بیٹا کون ہے سوا باپ کے اور کوئی نہیں جانتا کہ باپ کون ہے سوا بیٹے

کے اور اس شخص کے جس پر بیٹا اسے ظاہر کرنا چاہے۔" (لوقا ۱۰: ۲۲ + متی ۱۱: ۲۷) خداوند کے اس کلام سے ظاہر ہے کہ "بیٹا" بذاتہ تمام مخلوقات کے لئے ایک انجانی ہستی ہے جس کو "باپ" کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ پس وہ کوئی مخلوق و محدود ہستی نہیں ہوسکتی۔ نہ اس کا "باپ" کے ساتھ ایسا علاقہ ہو سکتا ہے جیسا کہ کسی اور محدود و مخلوق ہستی کا۔ کیونکہ:۔ "کوئی نہیں جانتا کہ باپ کون ہے سوا بیٹے کے۔" پس دونوں کا علم بلا واسطہ ہر مخلوق کی پہنچ سے باہر ہے۔ اور باپ کا علم اس صورت میں اور اس شخص کے لئے ممکن ہے:۔ "جس پر بیٹا اسے ظاہر کرنا چاہے۔" کیونکہ:۔ "خدا کو کسی نے کبھی نہیں دیکھا۔ اکلوتا بیٹا جو باپ کی گود میں ہے اسی نے ظاہر کیا۔" (یوحنا ۱: ۱۸) اور وہ "ان دیکھے خدا کی صورت" ہے (کلسیوں ۱: ۱۵) "جس نے اسے دیکھا اس نے باپ کو دیکھا۔" (یوحنا ۱۴: ۹) "کیونکہ الوہیت کی ساری معموری اسی میں مجسم ہو کر سکونت کرتی ہے۔" (کلسیوں ۲: ۹) "اس میں کلام نہیں کہ دینداری کا بھید بڑا ہے وہ جو جسم میں ظاہر ہوا۔" (۱-تمتھیس ۳: ۱۶) "بلکہ اپنے آپ کو خالی کر دیا اور خادم کی صورت اختیار کی اور انسانوں کے مشابہ ہو گیا اور انسانی شکل میں ظاہر ہو کر" (فلپیوں ۲: ۷و۸) "اور ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں۔" (یوحنا ۱۷: ۳) "اور خدا کے بھید یعنی مسیح کو پہچانیں۔ جس میں حکمت اور معرفت کے سب خزانے پوشیدہ ہیں۔" (کلسیوں ۲: ۲و۳)

"وہ اس کے جلال کا پرتو اور اس کی ذات کا نقش ہو کر سب چیزوں کو اپنی قدرت کے کلام سے سنبھالتا ہے۔" (عبرانیوں ۱: ۳)

(۳) محدود و حادث مخلوقات کی اشرف نوع یعنی انسان کے لئے تدریجی کمال کا حصول اپنے خالق کی طاعت و عبادت کے بغیر ممکن نہیں۔ لیکن چونکہ ہر مخلوق حتیٰ کہ انسانوں اور فرشتوں کی قابلیتیں بھی محدود و حادث ہیں اسلئے ان کے لئے ازلی و غیر محدود ذات کی بلا واسطہ طاعت و عبادت اور اس سے بلا واسطہ استفادہ قطعاً محال و ممتنع ہے۔ اور کامل استفادہ کے لئے وہی واسطہ ہو سکتا ہے۔ جو نہ صرف ساری مخلوقات سے افضل بلکہ خدا تعالیٰ کی حقیقی اضافی حیثیت سے بلا واسطہ متعلق ہو۔ پس ابتدائی، مثالی اور عارضی قبلہ تو کوئی محض محدود و مخلوق شی ہو سکتی ہے۔ جیسے آگ (خروج ۳: ۲-۶) خیمہ (خروج ۴۰: ۳۴) عمارت (۲ تواریخ ۷: ۱) پتھر (پیدائش ۲۸: ۱۸ و ۱۹) وغیرہ۔ اور کلمۃ اللہ کا عارضی ظہور، آگ، انسان اور فرشتے کی شکل میں ہو سکتا ہے۔ (پیدائش ۳: ۸ + ۸: ۲۰ و ۲۱ + ۱۲: ۷ + ۱۸: ۱ و ۳۳ + ۲۶: ۲ + ۲۸: ۱۳ + خروج ۳: ۲ + ۱۹: ۱۸ + استثنا ۳۳: ۱۶ + یشوع ۵: ۱۳-۱۵ + قضات ۱۳: ۱۸-۲۲ + ۱ سموایل ۳: ۱۰ + یسعیاہ ۷: ۱ + ۶۳: ۹ + حزقی ایل ۱: ۲۶-۲۸ + دانی ایل ۳: ۲۵ و ۲۸ + ۷: ۹ + بمقابلہ یوحنا ۱: ۱۸) لیکن ازلی و غیر محدود خدا اور حادث و محدود مخلوق میں حقیقی واسطہ عبادت کوئی محض مخلوق و محدود شی اور

موضوع لفظی نام نہیں ہو سکتا۔ نہ "باریتعالیٰ ہاتھ کے بنائے ہوئے گھروں" (اعمال ۷: ۴۸-۴۹) اور مخلوقات کی مصنوعات (اعمال ۱۷: ۲۴ و ۲۵) میں رہے گا۔ پس حقیقی واسطہ عبادت (قبلہ) اشرف المخلوقات کی وہ اعلیٰ و اکمل و افضل الناس جزئی ہو سکتی ہے جو الٰہی مخلوق کے طور پر (یعنی فطری طور پر اور طبعی مخلوق نہ ہو) جیسے کوہ محرب کے نزدیک جھاڑی میں آگ (خروج ۳: ۱ و ۲) ذاتِ الٰہی کی حقیقی اضافی حیثیت یعنی کلمۃ اللہ کا دائمی اور کامل اور حقیقی مظہر ہے جس نے کلمۃ اللہ کا ظرف ظہور ہو کر بشریت کا کمال حاصل کیا۔ (عبرانیوں ۲: ۹ و ۱۰) اور فنا کے قبضہ سے چھوٹ کر بقا پائی۔ (۲۔کرنتھیوں ۱۳: ۴) اور محدودیت سے بے حدی تک سرفراز ہوا (عبرانیوں ۱: ۳ و ۴ + یوحنا ۱۷: ۵ + فلپیوں ۲: ۹) اور یوں کُل مخلوقات کے لئے ہمہ گیر (متی ۱۸: ۲۰ + فلپیوں ۲: ۹-۱۱) دائمی (متی ۲۸: ۲۰ + مکاشفہ ۲۱: ۲۲ + ۲۲: ۳) اور مستقل (۲کرنتھیوں ۱: ۱۹ + عبرانیوں ۱: ۸-۱۲ + ۱۳: ۸ + مکاشفہ ۱: ۴ و ۸) قبلہ ٹھہرا۔

(۴) اِس بدیہی حقیقت کا انکار نہیں ہو سکتا کہ کُل مخلوقات پر فنا اور بطالت کا تسلط ہے (واعظ ۱: ۲ + رومیوں ۸: ۲۰ + ۱یوحنا ۵: ۱۹) اور بروئے استدلال آفاقی کائناتِ عالم میں ایسی ابدی زندگی کی گواہی ناپید ہے جو موت پر غالب ہو۔ پس جب تک یہ بات ممکن نہ مانیں کہ قادرِ مطلق کی طرف سے (جس کا افادہ حقیقی اضافی کے واسطہ سے اضافی محض کے لئے اور بمتاثرہ جزئی کے واسطہ

سے قابلِ استفادہ کلی کے لئے ہو سکتا ہے) کلمۃ اللہ کی مصاحبت سے متعلق ہونے کی
کو (جو بلا واسطہ استفادہ کے قابل اور ذاتِ مفید سے متوافق ہے) فنا کے
قبضہ سے چھڑا کر بقا عطا کر کے مخلوق کلی میں بقا کی تاثیر کا واسطہ ٹھہرایا گیا۔ اس
وقت تک خدائے حی القیوم کی ہستی پر ایمان اور مردوں کی قیامت کا
عقیدہ، وہم محض سے زیادہ وقعت نہ رکھے گا۔ پس اگر خداوند یسوع مسیح کی
جسمانی زندگی پر انسانیت کی وجہ سے موت کا قبضہ اور الوہیت کی وجہ سے
اُس کے موت پر فاتح ہو کر مُردوں میں سے جی اُٹھنے (متی ۲۰: ۱۸و۱۹ +
رومیوں ۱: ۳و۴ + ۲ کرنتھیوں ۱۳: ۴ +۱پطرس ۳: ۱۸) اور یوں موت
اور بطالت کے سردار ابلیس پر غالب آکر (عبرانیوں ۲: ۱۴ + مکاشفہ ۱: ۱۸)
مخلوقات کی بقا کا سبب ٹھہرنے (رومیوں ۸: ۲۱ + ۱ کرنتھیوں ۱۵: ۲۰-
۲۶ + یوحنا ۵: ۲۵و۲۶ + ۲ تھسلنیکیوں ۴: ۱۴) کا انکار کیا جائے۔
تو نہ کائنات کے فنا کے قبضہ سے چھوٹنے اور مُردوں کے غیر فانی حالت میں
جی اُٹھنے کا امکان ہو گا اور نہ فانی اشیاء میں بقا کی تاثیر ممکن ہو گی۔ کیونکہ
صرف خداوند یسوع مسیح ہی مُردوں میں سے جی اُٹھنے والوں میں پہلوٹھا اور
موت و بطالت پر غالب زندگی کا "سچا گواہ" اور باعثِ قیامت اور
واسطہ تاثیر بقا ہے (کلسیوں ۱: ۱۸-۲۰ + ۱ تمتھیس ۶: ۱۴-۱۶ + مکاشفہ
۱: ۵) اور جاننا چاہیئے کہ اس کے سوا جو مُردے معجزانہ طور پر زندہ کئے گئے

ان کے اجسام (جو انسانی ہستی کے قیام کا نیگٹو یعنی ظرفی پہلو ہیں) فنا کے قبضہ سے نہ چھوٹے بلکہ فانی جسموں سے ہی دوبارہ عارضی تعلق کے بعد پھر موت کا لقمہ ہو گئے۔

(۵) ملاقات و وصال کے لئے ذات و صفات الٰہی سے توافق ضرور ہے۔ کیونکہ دو مختلف ماہیتوں میں ملاقات و وصال ممکن نہیں۔ چنانچہ انسان اور بندر میں بھی جنسی مقاربت کے باوجود تلاقی و توالد کا امکان نہیں چہ جائیکہ خدا تعالیٰ اور انسان میں جہاں نہ صرف وجوب ذاتی و امکان خاص کا بے انتہا افتراق ہے بلکہ ازلیت و حدوث اور بے حدی و محدودیت کا غیر متناہی بُعد بھی ہے اور قدوس مطلق سے گناہ آلودہ انسانی طبیعت کا اختلاف مزید برآں۔ بنا بریں جب تک دو ذاتوں میں میل اور موافقت کا امکان نہ ہو ان کی ملاقات و وصال کا عقیدہ باطل ٹھہرے گا۔ پس اگر الوہیت و انسانیت میں ملاقات ہو سکتی ہے تو یہ محدود و حادث ہستی کی طرف سے تو ممتنع اور خارج از امکان ہے۔ کیونکہ محدود شئے محدود ترقی سے کبھی بے حدی تک نہیں پہنچ سکتی۔ نہ زمانہ بر زمانی ازدیاد ازلیت کو پا سکتا ہے۔ ازیں جہت الوہیت و انسانیت میں میل ملاپ کا امکان صرف ازلی و غیر محدود خدا تعالیٰ کی طرف سے اور اس کی حقیقی اضافی حیثیت کے واسطے سے ہی ممکن ہے۔ کیونکہ مخلوقات خصوصاً نوعِ انسان کے لئے اپنے

انتہائی ارتقاء کے باوجود کسی ایسی اشرف الناس جزئی تک ہی رسائی حاصل کرنے کا امکان ہے جو انسانیت کے کمال (افسیوں ۴: ۱۳ + عبرانیوں ۲: ۱۰ + ۵: ۹ + ۷: ۲۸ + لوقا ۱۳: ۳۲) کے ساتھ ہی حقیقی اضافی الوہیت کا ظرف ظہور ہو کر قدیم وحادث اور غیر محدود و محدود میں ارتباط کا واسطہ ٹھہرے اور گنہگار انسان کے گناہوں کی معافی اور اس کی طبعی تبدیلی کا واسطہ بھی ہو۔ اور وہ "عمانوایل" یعنی خدا ہمارے ساتھ ہے۔ (متی ۱: ۲۳) "جس میں ہم کو مخلصی یعنی گناہوں کی معافی حاصل ہے" (کلسیوں ۱: ۱۴) "مطلب یہ ہے کہ خدا نے مسیح میں ہو کر اپنے ساتھ دنیا کا میل ملاپ کر لیا اور ان کی تقصیروں کو ان کے ذمہ نہ لگایا" (۲ کرنتھیوں ۵: ۱۹) "کیونکہ خدا ایک ہے اور خدا اور انسان کے بیچ میں درمیانی بھی ایک ہے یعنی مسیح یسوع جو انسان ہے" (۱ تیمتھیس ۲: ۵) "ہمارے خداوند یسوع مسیح کے خدا اور باپ کی حمد ہو۔ جس نے یسوع مسیح کے مُردوں میں سے جی اُٹھنے کے باعث اپنی بڑی رحمت سے ہمیں زندہ اُمید کے لئے نئے سرے سے پیدا کیا تاکہ ایک غیر فانی اور بے داغ اور لازوال میراث کو حاصل کریں" (۱ پطرس ۱: ۳) "کیونکہ باپ کو یہ پسند آیا کہ ساری معموری اسی میں سکونت کرے اور اس کے خون کے سبب سے جو صلیب پر بہا صلح کر کے سب چیزوں کا اسی کے وسیلہ سے اپنے ساتھ میل کر لے خواہ وہ زمین کی ہوں خواہ آسمان کی" (کلسیوں ۱: ۱۹ و ۲۰)

"جب ہمارے منجی خدا کی مہربانی اور انسان کے ساتھ الفت ظاہر ہوئی تو اس نے ہم کو نجات دی مگر راستبازی کے کاموں کے سبب سے نہیں جو ہم نے خود کئے بلکہ اپنی رحمت کے مطابق نئی پیدائش کے غسل اور روح القدس کے ہمیں نیا بنانے کے وسیلہ سے جسے اس نے ہمارے منجی یسوع مسیح کی معرفت ہم پر افراط سے نازل کیا" (ططس ۳: ۴-۶) "یسوع نے اس سے کہا کہ راہ اور حق اور زندگی میں ہوں۔ کوئی میرے وسیلہ کے بغیر باپ کے پاس نہیں آتا" (یوحنا ۱۴: ۶) پس اگر ابن اللہ کی ہستی اور اس کے تجسم کا انکار کیا جائے تو:-

(۱) خدائے ازلی وغیر محدود کی ہستی کا انکار لازم آئے گا کیونکہ باطنی وامتیازی اضافت ونسبت کے بغیر اس کی وحدتِ نسبتی باطل ٹھہرے گی۔ اور وحدتِ محضہ وو حدتِ مطلقہ کا نہ کوئی ثبوتی مفہوم ممکن ہے نہ ثبوتی تعریف اور نہ کائناتِ عالم میں اس کی کوئی مثال ہو سکتی ہے۔

(۲) الٰہی حیات کے کمال کا انکار لازم آئے گا۔ کیونکہ از روئے استدلال انّی ہر کامل زندگی سے قیام ظہوری کا افادہ ضرور ہے۔

(۳) ذاتِ الٰہی میں باطنی و امتیازی کثرت کے بغیر کثرتِ صفات کا امکان نہ رہے گا۔ نیز وحدتِ ضدی (یعنی ایسی وحدت جو ہر طرح کی کثرت کی ضد کے طور پر مفروض ہو) سے کثرت کے صدور کا قیام ممکن نہ ہو گا۔ ورنہ علتِ تام

یعنی واحدِ محض کا اپنے معلولاتِ کثیرہ سے تضاد لازم آئے گا۔

(۴) خدا تعالیٰ کی ازلی محبت (جس کا قیام مضافین کے امتیاز کے بغیر ممکن نہیں) کا انکار لازم آئے گا۔ اور اگر خدا تعالیٰ کی محبت کی ممعوری کو کائناتِ عالم کے صدور کا داعی نہ مانا جائے تو یا فعلِ تخلیق بلا مقصد ہو کر کارِ عبث اور خلافِ حکمت ٹھہرے گا اور یا حضرت کامل بالذات کے لئے احتیاج اور نقصِ استکمال لازم آئے گا۔

(۵) ازلی و غیر محدود ذات سے ابن اللہ کا قیام ظہوری اور ذاتِ الٰہی کی حقیقی اضافی حیثیت ماننے بغیر ازلی و غیر محدود علتِ تام سے حادث و محدود معلولات کا قیام صدوری ممکن نہ ہوگا۔

(۶) اگر کلام تکوینی (جو بالذات قدیم اور بالاضافت حادث ہے) کو علتِ محدثہ نہ مانا جائے تو ازلی و غیر محدود علتِ تام اور محدود و حادث معلولات میں ارتباط ممکن نہ ہوگا۔

(۷) اگر کلمۃ اللہ کے تجسّم کا انکار کیا جائے تو ذات و صفاتِ الٰہی کے حقیقی علم و عرفان کا حصول، حادث و محدود مخلوقات کی قوتوں اور قابلیتوں کے لئے محال و ممتنع ٹھہرے گا۔ اور موضوعاتِ لفظی میں الہامی نوشتوں کے مثالی بیان کو ہی کلام اللہ کے افادہ کا کمال ماننا پڑے گا۔ اور مخلوقات کی احتیاج و استعداد کے مطابق کامل عرفان کے افادہ سے

قادرِ مطلق و حکیم علی الاطلاق کا عجز لازم آئے گا۔

(۸) اگر ابن اللہ کے تجسم کا انکار کیا جائے تو محدود و حادث مخلوقات کے لئے ازلی و غیر محدود ذات کی بلاواسطہ عبادت محال ہونے سے یا تو حقیقی و کامل عبادت حسبِ استعداد مخلوقات ممکن نہ ہوگی۔ اور یا مخلوق اشیاء کو واسطہ ٹھہرانے اور محض موضوعاتِ لفظی سے متعلق ہونے کی جہت سے وہ عبادت ناقص بلکہ عرفانِ کامل کے رُو سے شرک فی العبادت ٹھہرے گی اور حقیقی عبادت بجا لانے کا امکان تا ابد نہ ہوگا۔ نیز حقیقی اضافی قبلہ کے بغیر عبادت نہ صرف اَن دیکھے بلکہ اَن جانے خدا سے متعلق ہوگی۔ پس:۔ "تم جسے نہیں جانتے اس کی پرستش کرتے ہو۔ ہم جسے جانتے ہیں اس کی پرستش کرتے ہیں"۔ (یوحنا ۴: ۲۲) "اور یہ بھی جانتے ہیں کہ خدا کا بیٹا آگیا ہے اور اس نے ہمیں سمجھ بخشی ہے تاکہ اس کو جو حقیقی ہے جانیں اور ہم اس میں جو حقیقی ہے یعنی اس کے بیٹے یسوع مسیح میں ہیں۔ حقیقی خدا اور ہمیشہ کی زندگی یہی ہے۔ اے بچو! اپنے آپ کو بتوں سے بچائے رکھو"۔ (۱ یوحنا ۵: ۲۰ و ۲۱) "پس جس کو تم بغیر معلوم کئے پوجتے ہو۔ میں تم کو اُسی کی خبر دیتا ہوں"۔ (اعمال ۱۷: ۲۳)

(۹) ابن اللہ کے تجسم کے بغیر ازلی و غیر محدود و لطیف حقیقی کے ساتھ حادث و محدود و کثیف یا لطیف نسبتی مخلوقات کا تواصل و تلاقی ممکن نہیں۔

(۱۰) مجسم ابن اللہ کی انسانیت پر موت کے تسلط اور الوہیت کے موت پر فتح پا کر اپنی متعلقہ انسانیت کی کامل جزئی کو غیر فانی بنانے اور اس کو دیگر مخلوقات کے لئے تاثیر بقا کا واسطہ ٹھہرائے بغیر مخلوقات کی قیامت اور اس کے لئے بطالت وفنا کے قبضہ سے چھوٹ کر بقا باللہ کے استفادہ کا امکان نہ ہوگا۔ "تلک عشرۃ کاملۃ"+

خادم عبدالحق۔ بنگلہ C 15 + سیکٹر 18-A + چنڈی گڑھ

انڈیا + ۱۷ مئی ۱۹۶۲ء +

یہ چٹھی آج یکم جون ۶۲ء کو دوبارہ بھیجی گئی۔ منہ

ضروری نوٹ مورخہ ۲۱ مئی کو پادری صاحب کا مندرجہ بالا پرچہ مجھے موصول ہوا تھا۔ اسے واپس بھجواتے ہوئے ۲۲ مئی کو میں نے درخواست کی کہ جب آپ الوہیت مسیح پر تحریری مناظرہ کے لئے تیار ہو گئے ہیں تو پرچہ کے شروع کے صفحات کا مواد غیر ضروری، غیر متعلقہ اور ضیاع ہے اسے حذف کر کے واپس بھجوا دیں تا میں اصل پرچہ کا جواب لکھ کر بھیج سکوں۔

۲۹ مئی کو بجائے پرچہ واپس آنے کے پادری صاحب کا خط آیا جس میں انہوں نے لکھا کہ:۔

"اگر آپ نے ۴ جون تک اس کا جواب رجسٹرڈ نہ بھیجا تو ہم اس پر بھی آپ کی جماعت کو شکست خوردہ تصور کر کے آئندہ

لکھنا بند کر دیں گے۔"

مَیں نے اسی روز (۲۹ رمئی کو) ایکسپریس تار کے ذریعہ پادری صاحب سے پرچہ واپس بھیجنے کے لئے کہا۔ ۳۰ رمئی کو رجسٹرڈ خط بھی لکھا دوسری طرف تردید الوہیتِ مسیح پر پرچہ تحریر کرنا شروع کر دیا۔

مورخہ ۴ رجون ۱۹۶۲ء کو پادری صاحب کے نام مَیں نے اپنا پہلا پرچہ جو آگے درج ہے بذریعہ رجسٹری بھیجا اور ساتھ ہی ذیل کا خط لکھا کہ:۔

"جناب پادری عبدالحق صاحب! السلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

آپ کی چٹھی مرقومہ ۲۵ $\frac{5}{62}$ موصولہ ۲۹ $\frac{5}{62}$ میں آپ نے لکھا تھا کہ "اگر آپ نے ۴ رجون تک اِس کا جواب رجسٹرڈ نہ بھیجا ۔۔۔۔۔"

مَیں اِس چٹھی کے ہمراہ الوہیتِ مسیح کی تردید میں پہلا جوابی پرچہ رجسٹرڈ بھجوا رہا ہوں۔

اگرچہ آپ کا پہلا پرچہ میرے سامنے نہ تھا تاہم یہ پرچہ خود مستقل پرچہ ہے۔ چونکہ آپ کے "حکم" کے باعث ۴ رجون کو رجسٹرڈ کرانا ضروری تھا اسلئے مَیں اسے بھجوا رہا ہوں۔ مَیں تار اور چٹھی کے ذریعہ آپ کا پہلا پرچہ طلب کر چکا ہوں۔ وہ آجکل میں آنے والا ہے۔ آپ اسے ضرور بھجوا دیں۔ پرچہ آجانے پر اگر معلوم ہوا۔ کہ بعض امور اور قابلِ توجہ تھے تو انہیں اگلے پرچہ میں

شامل کر لیا جائے گا۔ گویا آپ کے جوابی پرچہ آنے پر پہلے موصولہ پرچے کو بھی (بشرطیکہ وہ آپ نے واپس بھیج دیا) پوری طرح مدنظر رکھ لیا جائے گا انشاءاللہ۔ باقی اصولی جواب بالکل مکمل ہے۔

وآخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العالمین

ربوہ۔ پاکستان — خاکسار

$\frac{6}{62}$ ۴ بجے صبح — ابوالعطاء جالندھری

الوہیت مسیح کی تردید

میں

پہلا جوابی پرچہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم * نحمدہ و نصلی علی رسولہ الکریم

اعوذ باللہ من الشیطان الرجیم

لقد کفر الذین قالوا ان اللہ ھو المسیح بن مریم وقال المسیح یبنی اسرائیل اعبدوا اللہ ربی وربکم انہ من یشرک باللہ فقد حرم اللہ علیہ الجنۃ ومأوٰہ النار وما للظٰلمین من انصار ○

(المائدہ ۷۲)

"سن لے اے اسرائیل! خداوند ہمارا خدا اکیلا خداوند ہے تو اپنے سارے دل اور اپنے سارے جی اور اپنے سارے زور سے خداوند اپنے خدا کو دوست رکھ۔" (استثناء ۶/۴-۵)

"تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت

کرے" (متی ۱/۴)

"اس (یسوع) نے اس (عالم) سے کہا کہ خداوند اپنے خدا سے اپنے سارے دل اور اپنی ساری جان اور اپنی ساری عقل سے محبت رکھ۔ بڑا اور پہلا حکم یہی ہے" (متی ۲۲/۳۷)

اے بھائیو! اسلام اور موجودہ عیسائیت میں سب سے بڑا مذہبی متنازعہ یہ ہے کہ عیسائیوں کے نزدیک حضرت مسیح بن مریم علیہ السلام ابن اللہ اور خود خدا ہیں مگر اسلام حضرت مسیح کو سب نبیوں اور رسولوں کی مانند ایک رسول قرار دیتا ہے۔ ما المسیح ابن مریم الا رسول قد خلت من قبله الرسل (المائدہ: ۷۵)

اسلام اس عقیدہ کو کفر ٹھہراتا ہے کہ مسیح کو ابن اللہ کہا جائے۔ انہیں ولد اللہ قرار دیا جائے یا انہیں اللہ ٹھہرایا جائے۔ قرآن مجید میں نصاریٰ کے اس عقیدہ کو سب سے بڑا فتنہ اور آخری زمانہ میں سخت ترین عذاب کا موجب بتایا گیا ہے۔ فرمایا تکاد السمٰوٰت یتفطرن منه و تنشق الارض و تخر الجبال ھدًّا ان دعوا للرحمٰن ولدًا (مریم: ۹۰-۹۱) کہ ان کے اس قول سے کہ خدائے رحمٰن کا بیٹا ہے قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائیں، زمین میں شگاف ہو جائے اور پہاڑ ٹکڑے ٹکڑے ہو جائیں۔ یعنی اگر یہ لوگ اتمامِ حجت کے باوجود توبہ نہ کریں گے تو یقیناً اس

سزا میں گرفتار رہوں گے۔ موجودہ عیسائیت کی بنیاد یسوع مسیح کی ابنیت کے عقیدہ پر ہے۔ پس اسلام اور عیسائیت میں یہ بنیادی اختلافی مسئلہ ہے۔

۲۔ تمام آسمانی کتابیں اور انسانی فطرت خدا تعالیٰ کی توحید کے عقیدہ پر شاہد ہے۔ کائناتِ عالم کا ذرہ ذرہ وحدتِ خالق پر گواہی دے رہا ہے۔ سب نبی، ساری قوموں کے پیغمبر اپنی اپنی جگہ پر خدا کی توحید کے منادی تھے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ولقد بعثنا فی کلّ امّۃٍ رسولاً ان اعبدوا اللّٰہ واجتنبوا الطاغوت (النحل ۳۶) کہ ہم نے ہر امّت میں رسول بھیجا جس نے لوگوں کو یہ پیغام دیا کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو اور اس کے غیر کی عبادت نہ کرو۔" یہی پیغامِ توحید ابتداءِ آفرینش سے انبیاء علیہم السلام دیتے رہے۔ یہی پیغام حضرت موسیٰؑ نے بنی اسرائیل کو دیا اور یہی پیغام حضرت مسیحؑ نے اسرائیلیوں کو پہنچایا۔ پس توحید سب نبیوں کا مشترکہ مقصد ہے۔

نبیوں کے کچھ عرصہ بعد لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان کے ساتھ ساتھ شرک کا ارتکاب بھی شروع کر دیتے ہیں۔ تاریخِ مذاہب پر نظر کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کوتاہ نظر انسانوں نے پتھروں، درختوں، پرندوں، حیوانوں اور انسانوں کو خدائی جامہ پہنا کر انہیں اپنا معبود گردانا اور ان کی عبادت کرنی شروع کر دی۔ حالانکہ انسانی فطرت کے لئے خدا ئے قادر والٰہ واحد کا پہچاننا زیادہ مشکل نہ تھا۔ کتاب مقدس میں لکھا ہے:-

"جو کچھ خدا کی نسبت معلوم ہو سکتا ہے وہ ان کے باطن میں ظاہر ہے اسلئے کہ خدا نے اس کو ان پر ظاہر کر دیا۔ کیونکہ اس کی اَن دیکھی صفتیں یعنی اس کی ازلی قدرت اور الوہیت دنیا کی پیدائش کے وقت بنائی ہوئی چیزوں کے ذریعہ سے معلوم ہو کر صاف نظر آتی ہیں۔ یہاں تک کہ ان کو کچھ عذر باقی نہیں۔ اسلئے کہ اگرچہ انہوں نے خدا کو جان تو لیا مگر اُس کی خدائی کے لائق اس کی بڑائی اور شکرگزاری نہ کی بلکہ باطل خیالات میں پڑ گئے اور ان کے بے سمجھ دلوں پر اندھیرا چھا گیا۔ وہ اپنے آپ کو دانا جتا کر بے وقوف بن گئے اور غیر فانی خدا کے جلال کو فانی انسان اور پرندوں اور چوپاؤں اور کیڑے مکوڑوں کی صورت میں بدل ڈالا۔"

(رومیوں ۱/۱۹-۲۳)

ایسی مشرک قوموں اور ایسے مشرک افراد کو بتانا پڑتا ہے کہ :-

"جس خدا نے دنیا اور اس کی ساری چیزوں کو پیدا کیا ہے وہ آسمان و زمین کا مالک ہو کر ہاتھ کے بنائے ہوئے مندروں میں نہیں رہتا۔ نہ کسی چیز کا محتاج ہو کر آدمیوں کے ہاتھوں سے خدمت لیتا ہے کیونکہ وہ تو خود سب کو زندگی اور سانس اور سب کچھ دیتا ہے۔" (اعمال ۱۷/۲۴-۲۵)

"ہم کو یہ خیال کرنا مناسب نہیں کہ ذاتِ الٰہی اس سونے یا روپے یا پتھر کی مانند ہے جو آدمی کے ہنر اور ایجاد سے گھڑے گئے ہوں۔ پس خدا جہالت کے وقتوں سے چشم پوشی کر کے اب سب آدمیوں کو ہر جگہ حکم دیتا ہے کہ توبہ کریں۔"

(اعمال ۱۷/۲۹-۳۰)

"ہم بھی تمہارے ہم طبیعت انسان ہیں اور تمہیں خوشخبری سناتے ہیں تاکہ ان باطل چیزوں سے کنارہ کر کے اس زندہ خدا کی طرف پھرو جس نے آسمان اور زمین اور سمندر اور جو کچھ ان میں ہے پیدا کیا۔" (اعمال ۱۴/۱۵)

بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا سبق انسانی فطرت میں موجود ہے اس کی پیدا کردہ کائنات سے اس کی توحید عیاں ہے۔ اس کے نبیوں اور صلحاء کی شہادتوں سے واضح ہے مگر پھر بھی بے وقوف لوگ غیر فانی خدا کے جلال کو فانی انسانوں اور حیوانوں وغیرہ میں بدل کر شرک کرتے ہیں۔ زندہ خدا، آسمان و زمین کے مالک خدا، سب کچھ دینے والے خدا کے شریک گردانتے ہیں۔ سارہ ما یحکمون۔

۳۔ اگر یہ سوال پیدا ہو کہ انسان شرک کے ان "باطل خیالات" میں کیوں پڑتے رہے ہیں؟ تو اوپر کے اقتباسات میں اس کا جواب یہ دیا گیا

ہے کہ انسان اپنی "جہالت" اور "بے وقوفی" کے باعث ذاتِ الٰہی اور اَن دیکھی صفتوں کو مجسّم شکل دینے کی کوشش کرتا رہا ہے۔ یہ دہ پرستی کا جذبہ ہی پتھروں، درختوں، جانوروں اور انسانوں کی شکل میں محدود قرار دیا جاتا رہا ہے۔ اور انسان اشرف المخلوقات ہونے کے باوجود زمین و آسمان کے ذرات یا اپنے جیسے انسانوں کے سامنے سربسجود ہو جاتا ہے۔

بہت سے لوگ اپنے نبیوں اور رسولوں کو عرشِ الوہیت پر بٹھا کر انہیں اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھہرانے لگ جاتے ہیں۔ ایسے لوگ پتھر کے بتوں کے پجاری نہیں ہوتے مگر شرک کے جرم کے ارتکاب میں وہ بھی کسی طرح کم مجرم نہیں ہوتے بلکہ ایک پہلو سے ان کا جرم زیادہ سنگین ہوتا ہے کیونکہ انہوں نے ایسے پاک وجودوں کو خدا یا خدا کا بیٹا قرار دیکر اُن کی عبادت شروع کی ہوتی ہے جو شرک کو مٹا کر توحید کے قائم کرنے کے لئے مبعوث ہوئے تھے۔ ظاہر ہے کہ ایسی قومیں دوہرے جرم کی مرتکب ہوتی ہیں۔ ایک تو شرک کا ارتکاب دوسرے ان مقدسوں کی طرف غلط باتیں منسوب کرنا جو توحید کے قیام کے لئے عمر بھر جدوجہد کرتے رہے تھے۔

ازمنہ سابقہ میں نصاریٰ میں جو الوہیتِ مسیح کا خیال پیدا ہوا تو قرآن مجید نے ان کو کہا کہ یہ غلو ہے مسیح کی شان میں افراط ہے اور یہ پہلے گمراہ مشرکوں

کی پیروی ہے۔ فرمایا قل یا اھل الکتٰب لا تغلوا فی دینکم غیر الحق ولا تتّبعوا اھواء قوم قد ضلّوا من قبل و اضلّوا کثیراً و ضلّوا عن سواء السّبیل (المائدہ : ۷۷)۔

اے اہلِ کتاب! اپنے دین میں ناحق غلو سے کام مت لو۔
ان لوگوں کے بے بنیاد خیالات کی پیروی مت کرو جو قبل ازیں
خود بھی بھٹک گئے اور راہِ حق سے گمراہ ہو کر بہتوں کو گمراہ
کرنے والے بن گئے۔"

۴۔ واضح رہے کہ ہم خوب جانتے ہیں کہ عیسائی لوگ قرآن مجید کو کلامِ خداوندی نہیں مانتے اور وہ براہِ راست اُن پر حجت نہیں لیکن جب قرآن مجید کا بیان معقول دلائل پر مبنی ہو' اور ہمیشہ ہی ایسا ہوتا ہے' پھر اس بیان کی تائید تاریخی اور نقلی شواہد سے بھی ہوتی ہو تو پھر اس کے حجت ماننے میں کسی عقلمند کو کلام نہیں ہو سکتا۔ بلکہ اندریں صورت تو قرآن مجید کا مدلل طور پر منجانب اللہ ہونا بھی ثابت ہو جاتا ہے۔ پس واضح رہے کہ ہم اس مقالہ میں اور آئندہ بھی قرآنی آیات کو یا تو اسلامی نظریہ کے ذکر کرنے کے لئے درج کریں گے اور یا ان کی عقلی، تاریخی اور مسلمہ استدلالی قوت کے باعث بیان کریں گے۔ لہٰذا پادری صاحب کو حق ہو گا کہ ان کی معقولیت پر اعتراض کر سکیں۔

ہمارے عقیدہ کے مطابق حضرت مسیح ناصری علیہ السلام خدا کے برگزیدہ رسول

ہیں اور اُن پر نازل شدہ انجیل خدا کی طرف سے تھی۔ ہمارا دعویٰ ہے کہ حضرت مسیح نے کبھی الوہیت کا دعویٰ نہیں کیا اور نہ ہی اُن کی انجیل میں اُنہیں خدا ٹھہرایا گیا ہے۔ یہ خیالات بعد کی ایجاد اور آمیزش ہیں۔ "بائیبل میں تحریف" ایک الگ موضوع ہے اس پر یہاں تفصیلی بحث نہیں ہوسکتی۔ لیکن جب اناجیل میں آمیزش کے امکان کا ذکر لبطور ہیر دا ہے ضروری ہو گیا ہے تو ایک حوالہ زیرِ نظر لے آئیے۔ لکھا ہے:۔

"ہم ان بہت لوگوں کی مانند نہیں جو خدا کے کلام میں آمیزش کرتے ہیں بلکہ دل کی صفائی سے اور خدا کی طرف سے خدا کو حاضر جان کر مسیح میں بولتے ہیں۔" (۲۔کرنتھیوں ۲/۱۷)

اِن حالات میں تاریخی ثبوت کے بغیر محض اناجیل پر اعتماد نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ ان میں راویوں کی روایات سے واقعات کو مختلف لوگوں نے مرتب کیا ہے اور باہم صدہا اختلافات ہیں۔

پھر یہ بات بھی ہے کہ خود نصاریٰ الوہیتِ ابن مریم یا الوہیتِ مریم کے بارے میں متفق اللسان نہیں۔ رومن کیتھولک حضرت مریم کو "خدا کی ماں" قرار دیتے ہیں۔ "جس طرح ہمارے موجودہ مخاطب عیسائی ابن مریم کو خدا کا بیٹا قرار دیتے ہیں۔ مگر قدیمی فرقہ 'موحدین' (یونی ٹیرین) اللہ تعالیٰ کی توحید کا قائل چلا آتا ہے۔ مسیح کو صرف رسول اور حضرت مریم کو صدیقہ مانتا ہے۔ اور بھی بعض فرقے

الوہیتِ مسیح کے منکر ہیں اور یہ سب عیسائی ہیں۔

۵۔ قارئین کرام! الوہیتِ مسیحؑ ایسے اہم مضمون کے مدِ نظر نہایت ضروری ہے کہ اس کے لئے محکم اور زبردست دلائل ہوں مگر حالت یہ ہے کہ پادری صاحبان متنازعہ فیہ امور کو بطور "دلائل" پیش کرنے کے عادی ہیں حالانکہ ایسے دعویٰ کے لئے قطعیۃ الدلالت ثبوت لازمی ہیں۔ کچھ عیسائی بھائی تو اسی پہ اکتفاد کرتے ہیں کہ چونکہ مجموعہ اناجیل یں خطوط وغیرہ میں کسی جگہ سے استنباط ہو سکتا ہے اسلئے ہم مسیح کو خدا مانیں گے۔ اور بعض پادری صاحبان یونانیوں کے دقیانوسی نظریاتی فلسفہ کو سینہ سے لگائے بیٹھے ہیں جس طرح "تعدّدِ آلِہٰ" اور "تعدّدِ عقول" کا بوسیدہ مسئلہ اہلِ یونان کی تقلید میں اپنا لیا گیا اسی طرح ان کے بے بنیاد خیالی نظریات کو اپنا کر تثلیث اور الوہیتِ مسیح کو ثابت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ بہر حال یہ ایک چکر چل رہا ہے۔ ہمارے نزدیک **دلیل** اسے کہتے ہیں جو خود قطعی الثبوت ہو اور پھر مدعا کو ثابت کرنے میں قطعیۃ الدلالت ہو مسلّمات ہر اس فریق پر حجت ہوتے ہیں جو اُن کو درست تسلیم کرتا ہے۔ پس عقلی دلائل کے علاوہ اِس موضوع میں عیسائی صاحبان کے سامنے بائبل کے سب حوالے بطور حجتِ قطعی پیش ہو سکتے ہیں کیونکہ وہ اسے بجنسہٖ کلامِ خدا مانتے ہیں۔ ہمارے مقابلے پر یہ حیثیت صرف قرآن مجید کو حاصل ہے یا پھر تورات وانجیل کے ان حوالہ جات کو جو ہمارے نزدیک الہامی حصے ہیں؛ قرآن مجید کے مطابق ہیں اور عقل کے خلاف

نہیں ۔ مَیں یہ وضاحت اسلئے کر رہا ہوں تا پادری صاحب کو بھی پوزیشن معلوم رہے نیز ان مقالات کے پڑھنے والے اصحاب بھی صحیح اندازہ لگا سکیں کہ کون دلیل سے بات کرتا ہے اور کون محض اپنے ہی مسلمات کو دلیل قرار دے کر پیش کر رہا ہے یا محض خیالی باتوں کی ریت پر محل بنا رہا ہے ۔

۶ ۔ قرآنی دلائل کا ایک واضح اثر یہ ہے کہ پادری صاحبان براہِ راست "الوہیتِ مسیح" کے عنوان پر گفتگو کی بجائے "تجسمِ ابن اللہ" کا عنوان اختیار کرتے ہیں اگرچہ اس سے اُن کی مراد یہی ہوتی ہے کہ یسوع مسیح کو خدا قرار دیں مگر کچھ پردہ رکھنا چاہتے ہیں ۔ اِس عنوان میں تین لفظ ہیں ۔ (۱) اللہ ۔ اُس قادرِ مطلق اور واحدِ کامل کی الوہیت پر سب متفق ہیں ۔ (۲) اِبن ۔ یہ لفظ متنازعہ فیہ ہے ۔ خود بائیبل میں یہ لفظ پیارے اور محبوب کے معنوں میں بکثرت استعمال ہوا ہے ۔ اگر لفظ اِبن سے مراد مجازی معنے ہوں تو عیسائیوں کو اس موضوع پر بحث کی چنداں ضرورت نہیں کیونکہ حضرت مسیح کا محبوبِ خدا ہونا ہمارے نزدیک متنازعہ فیہ نہیں ہے ۔ اگر حضرت مسیح کے لئے لفظ ابنیت کا اطلاق کسی خاص معنی میں ہوا ہے یعنی مجاز نہیں ہے حقیقت ہے تو پہلے اسکی تعیین اور ثبوت درکار ہے اور جب تک حقیقی ابن اللہ ہونا ثابت نہ ہو تو تجسم کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا ۔ مشہور مقولہ ہے ثبّت العرش ثم انقش ۔ گویا اب اصل سوال یہ ہے کہ آیا اللہ تعالیٰ کے علاوہ کوئی دوسرا خدا ہے ؟ اس

کا نام روح القدس رکھیں، مریم کہیں، مسیح کہیں، کرشن کہیں، لات کہیں، منات کہیں۔ یہ تو بات ہی بعد کی ہے اصل اور ابتدائی مطالبہ تو یہ ہے کہ آیا دوسرے خدا کا تصور کلامِ الٰہی میں یا قانونِ قدرت میں یا عقلِ انسانی میں قابلِ برداشت بھی ہے؟ ہاں ساتھ ہی یہ بھی طے ہو سکتا ہے کہ اگر بفرضِ محال دوسرا خدا ہے تو کیا وہ ابن مریم ہے؟ حضرت مسیح کے حالات وصفات سے بھی ثابت کیا جائے گا کہ ان کو خدا قرار دینا محض غلط اور بے بنیاد ہے اس طرح بھی عیسائیوں سے توحید منوائی جا سکتی ہے۔ دونوں طریق منطقی طریق ہیں اور دونوں سے الوہیتِ مسیح کے عقیدہ کا غلط ہونا بالبداہت ثابت ہے۔

۷۔ از روئے عقل واحد کامل خدا ہونے کی صورت میں دوسرے خدا یا اس کے بیٹے خدا کا سوال پیدا ہی نہیں ہوتا۔ ہاں اگر وہ اکیلا و یگانہ خدا کامل نہیں سارے کارخانۂ قدرت کو چلانے کی قابلیت نہیں رکھتا اسے کسی معاون و مددگار کی ضرورت ہے تو وہ ناقص ٹھہرا اور ناقص خدا نہیں ہو سکتا۔ اور اگر یہ خطرہ ہو کہ کسی وقت خدا پر فنا آجائے گی اسلئے اسکا جانشین اور بیٹا ہونا چاہیئے تو ظاہر ہے کہ جو فانی ہے وہ خدا ہی نہیں ہو سکتا بس کامل الصفات، قوی الطاقت اور الحیّ القیّوم خدا کے لئے نہ دوسرے خدا کی ضرورت ہے! اور نہ ہی اس کے لئے بیٹے کا سوال ہے۔

ظاہر ہے کہ دو کا تعین و تشخص ما بہ الامتیاز کے ذریعہ ہی ہو سکتا ہے اور یہ ما بہ الامتیاز یا کمال ہوگا یا نقص۔ دو میں سے جس میں بھی نقص ثابت ہوا وہ خدا نہیں ہو سکتا کیونکہ خدا ہر نقص سے پاک ہے۔ ناقص خدا نہیں ہو سکتا۔

اگر کہا جائے کہ دو خدا ہر جہت سے مساوی اور ہر اعتبار سے یکساں موجود ہیں تو پھر آسمان و زمین کے نظام میں گڑبڑ پیدا ہونا لازمی تھا، باہمی کشمکش ضروری تھی۔ یہی وہ عقلی دلیل ہے جسے قرآن مجید نے یوں ذکر فرمایا ہے۔ لو کان فیھما اٰلھۃ الا اللہ لفسدتا کہ اگر آسمان و زمین میں اللہ کے سوا کوئی اور بھی خدا ہوتے تو یہ کارخانہ درہم برہم ہو جاتا۔

دوسرے خدا کی صورت میں یہ سوال لازماً پیدا ہوگا کہ ایک اکیلا خدا یہ سارا کام سر انجام دے سکتا تھا یا نہیں؟ اگر نہیں دے سکتا تھا تو وہ ناقص ٹھہرا اور ناقص خدا نہیں ہو سکتا۔ اور اگر اکیلا یہ سب کچھ کر سکتا ہے تو دوسرے کا وجود عبث اور بیکار قرار پائے گا۔

پس دوسرے خدا یا ابن اللہ کا تصور مستلزم محال ہے اور جو مستلزم محال ہو وہ خود محال ہوتا ہے لہذا اِس عقیدہ کا عقلاً بدیہی البطلان ہونا عیاں ہے۔ کیونکہ اِس عقیدہ کے ماننے سے ذاتِ باری کی طرف نقص اور فنا کی نسبت لازم قرار پاتی ہے۔ وھو محال۔

۸۔ آیئے اب ہم کتابِ مقدس کے بیانات پر غور کریں۔ مندرجہ ذیل

بارہ[۱۲] اقتباسات اِس بارے میں صریح الدلالت ہیں کہ اللہ تعالیٰ واحد لاشریک ہے۔ وہی آسمانوں و زمین کا خالق اور پیدا کنندہ ہے' اس کے سوا کوئی دوسرا خدا نہیں ہے۔ فرمایا:۔

(۱) "میرے حضور تیرے لئے دوسرا خدا نہ ہو۔ تُو اپنے لئے کوئی مورت یا کسی چیز کی صورت جو اُوپر آسمان پر یا نیچے زمین پر یا پانی میں زمین کے نیچے مت بنا۔ تو اُن کے آگے اپنے تئیں مت جُھکا اور نہ ان کی عبادت کر کیونکہ مَیں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں۔" (خروج ۲۰/۲-۵)

(۲) "تو ہی اکیلا زمین کی ساری مملکتوں کا خدا ہے تو ہی نے آسمان اور زمین کو پیدا کیا۔" (۲-سلاطین ۱۹/۱۵)

(۳) "تو ہاں تو ہی اکیلا سارے بنی آدم کے دلوں کو جانتا ہے۔" (۱-سلاطین ۸/۳۹)

(۴) "اور اب اے خداوند ہمارے خدا تو ہم کو اس کے ہاتھ سے بچا لیجئے تاکہ زمین کی ساری بادشاہتیں یقین کر جانیں کہ تو ہی اکیلا خداوند خدا ہے۔" (۲-سلاطین ۱۹/۱۹)

(۵) "ربّ الافواج یوں فرماتا ہے کہ مَیں اوّل اور مَیں آخر ہوں اور میرے سوا کوئی خدا نہیں۔" (یسعیاہ ۴۴/۶)

(۶) "خداوند جس نے آسمان پیدا کئے وہ خدا ہے اسی نے زمین بنائی اور

تیار کی ۔ اس نے اسے قائم کیا ۔ اس نے اسے عبث پیدا نہیں کیا بلکہ اسے آبادی کے لئے آراستہ کیا وہ یوں فرماتا ہے کہ میں خداوند ہوں اور میرے سوا اور کوئی نہیں ۔" (یسعیاہ ۴۵/۱۸)

(۷) "میں تو اپنی شوکت دوسرے کو نہیں دینے کا ۔ اے یعقوب میری سن اور اے اسرائیل جو میرا بلایا ہوا ہے میں وہی ہوں میں ہی اول اور میں ہی آخر بھی ہوں ۔" (یسعیاہ ۴۸/۱۱-۱۲)

(۸) "تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر ۔" (متی ۴/۱۰)

(۹) "اس زندہ خدا کی طرف پھرو جس نے آسمان اور زمین اور سمندر اور جو کچھ ان میں ہے پیدا کیا ۔" (اعمال ۱۴/۱۵)

(۱۰) "ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد اور برحق کو، اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں ۔" (یوحنا ۱۷/۳)

(۱۱) "میرے آگے تیرا کوئی دوسرا خدا نہ ہووے ۔" (استثناء ۵/۷)

(۱۲) "سن لے اے اسرائیل ! خداوند ہمارا خدا اکیلا خداوند ہے تو اپنے سارے دل اور اپنے سارے جی اور اپنے سارے زور سے خداوند اپنے خدا کو دوست رکھ ۔" (استثناء ۶/۴)

بائبل کے ان بارہ ۱۲ الہامی حوالہ جات سے واضح طور پر ثابت ہے کہ خدا اکیلا خدا ہے ۔ اسی نے سب کچھ پیدا کیا ہے ۔ اس کے ساتھ کوئی دوسرا خدا نہیں،

نہ اس کا کوئی ہمسر اور شریک ہے۔ خدائے واحد و یگانہ کی عبادت کرنی فرض ہے۔ پس نہ دوسرا خدا ہے، نہ کوئی اُس کا بیٹا ہے، خدا واحد لاشریک ہے۔

۹۔ سب جانتے ہیں کہ کسی انسان کا اپنے متعلق یا اپنے کسی پیشوا کے متعلق محض دعویٰ الوہیت کرنے سے اُس کا خدا ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ جب عیسائی پادری یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت مسیحؑ خدا تھے تو ہمارا حق ہے کہ اُن سے مطالبہ کریں کہ وہ حضرت مسیحؑ میں صفاتِ الوہیت ثابت کریں۔ اگر وہ حضرت مسیحؑ میں صفاتِ باری تعالیٰ کا پایا جانا ثابت نہ کر سکیں ——— اور وہ ہرگز ثابت نہیں کر سکتے ——— تو انہیں اپنے اِس غلط اِدّعا سے توبہ کرنی چاہیئے۔

ذیل میں ہم پادری صاحبان کے مسلّمہ دس صفاتِ باری کا ذکر بائیبل کے مطابق درج کر کے مسیح کا حال بیان کرتے ہیں:۔

صفاتِ الٰہیہ ——— یسوع مسیح کا حال

(۱) اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے	(۱) مسیح نے ایک ذرہ بھی پیدا نہیں کیا۔ بلکہ مسیح خود مخلوق ہے۔
(الف) "اُس زندہ خدا کی طرف پھرو جس نے آسمان اور زمین اور سمندر اور جو کچھ ان میں ہے	وہ خود بخود پیدا نہیں ہوا بلکہ لکھا ہے:۔

پیدا کیا۔" (اعمال ۱۴/۱۵) (ب) "ابتدا میں خدا نے آسمان کو اور زمین کو پیدا کیا۔" (پیدائش ۱/۱)	"جب اس کی ماں مریم کی منگنی یوسف کے ساتھ ہو گئی تو ان کے اکٹھے ہونے سے پہلے وہ روح القدس کی قدرت سے حاملہ پائی گئی۔" (متی ۱/۱۸)
(۲) اللہ تعالیٰ علیم کل ہے۔ کوئی چیز اس کے علم سے باہر نہیں۔ (الف) "تو ہاں تو ہی اکیلا سارے بنی آدم کے دلوں کو جانتا ہے۔" (۱-سلاطین ۸/۳۹) (ب) "آدمی ظاہر کو دیکھتا ہے پر خداوند دل پر نظر کرتا ہے۔" (۱-سموئیل ۱۶/۷)	(۲) مسیح ہرگز علیم کل نہ تھے لکھا ہے:- (الف) "اس دن اور اس گھڑی کی نسبت کوئی نہیں جانتا نہ آسمان کے فرشتے نہ بیٹا مگر صرف باپ۔" (متی ۲۴/۳۶) (ب) "دوسرے دن جب وہ بیت عنیاہ سے نکلے تو اسکو بھوک لگی اور دور سے انجیر کا ایک درخت جس میں پتے تھے دیکھ کر گیا کہ شاید اس میں کچھ پائے مگر جب اسکے پاس پہنچا تو پتوں کے سوا کچھ نہ پایا کیونکہ انجیر کا موسم نہ تھا۔" (مرقس ۱۱/۱۲-۱۳)

گویا حضرت مسیح کو نہ قیامت کے دن اور گھڑی کا علم تھا۔ نہ انجیر کے موسم کا پتہ تھا اور نہ ہی انجیر کے ہونے کا علم تھا۔ پھر انہیں بھوک بھی لگتی تھی۔ کیا ایسے وجود کو خدا قرار دینا کسی طرح بھی درست ہے ؟

---

(۳) اللہ تعالیٰ انسانوں کی دعاؤں کو سُنتا ہے

"خداوند شریروں سے دُور ہے پر وہ صادقوں کی دُعا سُنتا ہے ۔"

(امثال ۱۵/۲۹)

(۳) حضرت مسیح تو خود اللہ تعالیٰ سے دعائیں مانگتے تھے

(الف) "لوگوں کو رخصت کر کے علیحدہ دُعا مانگنے کے لئے پہاڑ پر چڑھ گیا اور جب شام ہوئی تو وہاں اکیلا تھا۔" (متی ۱۴/۲۳)

(ب) "پھر تھوڑا آگے بڑھا اور مُنہ کے بل گر کر یہ دُعا مانگی ۔ اے میرے باپ ! اگر ہو سکے تو یہ پیالہ مجھ سے ٹل جائے الخ (متی ۲۶/۳۹)

(ج) "میری جان نہایت غمگین ہے یہاں تک کہ مرنے کی نوبت پہنچ گئی ہے تم یہاں ٹھہرو اور جاگتے رہو۔

اور وہ تھوڑا آگے بڑھا اور زمین
پر گر کے دُعا مانگنے لگا کہ اگر ہو سکے
تو یہ گھڑی مجھ پر سے ٹل جائے۔"
(مرقس ۱۴/۳۵-۳۴)

(د) "وہ جنگلوں میں الگ جا کر
دُعا مانگا کرتا تھا۔" (لوقا ۵/۱۶)

(ذ) "خدا سے دُعا مانگنے میں
ساری رات گزاری۔" (لوقا ۶/۱۲)

(ر) "پھر وہ سخت پریشانی میں
مبتلا ہو کر اور بھی دلسوزی سے
دُعا مانگنے لگا اور اس کا پسینہ گویا
خون کی بڑی بڑی بوندیں ہو کر زمین
پر ٹپکتا تھا۔" (لوقا ۲۲/۴۴)

(ز) "اس نے اپنی بشریت کے
دنوں میں زور زور سے پکار کر اور
آنسو بہا بہا کر اسی سے دُعائیں
اور التجائیں کیں جو اس کو موت سے

بچا سکتا تھا اور خدا ترسی کے سبب
اس کی سُنی گئی۔" (عبرانیوں ۵: ۷)

کتنا واضح مسئلہ ہے کہ خدا وہ ہے جو بندوں کی دُعائیں سُنتا ہے۔ مسیح نہ صرف یہ کہ دُعائیں نہ سُنتا تھا بلکہ وہ خود الحاح و زاری سے دُعائیں کرتا تھا۔ پس روزِ روشن کی طرح ثابت ہے کہ مسیح خدا نہ تھا بلکہ خدا وہ ہے جس سے خود مسیح بھی دُعا کرتا تھا۔ ابطالِ الوہیتِ مسیح کی اسی واضح دلیل کو قرآن مجید نے یوں بیان فرمایا ہے لن یستنکف المسیح ان یکون عبداً للّٰہ ولا الملائکۃ المقربون (النساء: ۱۷۲)

---

(۴) خدا تعالیٰ بالکل نہیں سوتا

"وہ جو تیرا حافظ ہے نہ اونگھیگا۔ وہ جو اسرائیل کا حافظ ہے ہرگز نہ اونگھے گا اور نہ سوئے گا۔"

(زبور ۱۲۱: ۳-۴)

(۴) مسیح گہری نیند سوتے تھے

"تب بڑی آندھی چلی اور لہریں کشتی پر یہاں تک آئیں کہ کشتی پانی سے بھری جاتی تھی اور وہ خود پیچھے کی طرف گدی پر سوتا تھا۔ پس انہوں نے اسے جگا کر کہا اے استاد! کیا تجھے فکر نہیں کہ ہم ہلاک ہوئے جاتے ہیں؟" (مرقس ۵: ۳۷-۳۸)

(۵) اللہ تعالےٰ قدرت و اختیار کا مالک ہے

"تو ہی اکیلا زمین کی ساری مملکتوں کا خدا ہے۔"

(۲-سلاطین ۱۹/۱۵)

(۵) مسیح کو اختیار و قدرت حاصل نہیں

(اَ) "اپنے دائیں بائیں کسی کو بٹھا دینا میرا کام نہیں مگر جن کیلئے میرے باپ کی طرف سے تیار کیا گیا انہیں کے لئے ہے۔" (متی ۲۰/۲۳)

(بَ) "اب سے ابن آدم قادرِ مطلق خدا کی دہنی طرف بیٹھا رہے گا۔"

(لوقا ۲۲/۶۹)

پس ثابت ہے کہ خدا قادرِ مطلق ہے اور مسیح قادرِ مطلق نہیں۔ وہ کسی کو بجز امر الٰہی اپنے دائیں بائیں بٹھانے کا بھی اختیار نہیں رکھتا بلکہ وہ اللہ تعالےٰ کے حکم کی اطاعت میں قادرِ مطلق خدا کے دائیں طرف بیٹھا رہے گا۔ لہٰذا ماننا پڑیگا کہ حضرت مسیح خدا بہر حال نہیں البتہ اللہ تعالیٰ کے مقربانِ بارگاہ اصحاب الیمین میں سے ضرور ہیں۔

---

(۶) اللہ تعالےٰ زندہ ہے

"خداوند زندہ ہے اور میری چٹان مبارک ہے۔ میری نجات کی

(۶) مسیح پر موت آگئی

"پھر یسوع بڑی آواز سے چلایا اور جان دے دی۔" (متی ۲۷/۵۰)

چٹان کا خدا بلند و بالا ہے۔"

(۲-سموئیل ۲۲/۴۷)

---

(۷) مسیح دشمنوں کے ہاتھوں قتل ہوئے	(۷) اللہ تعادوسروں کو ہلاکت سے بچاتا ہے
"سردار کاہنوں اور ہمارے	"مجھ سے آگے کوئی خدا نہ بنا اور
حاکموں نے اس کو پکڑوا دیا تا کہ	میرے بعد بھی کوئی نہ ہوگا میں ہی
اس پر قتل کا حکم دیا جائے اور اسے	یہوواہ ہوں اور میرے سوا کوئی
صلیب دلائی۔" (لوقا ۲۴/۲۰)	بچانے والا نہیں۔" (یسعیاہ ۴۳/۱۰-۱۱)

عیسائی خواہ کچھ تاویل کریں انہیں یہ مسلّم ہے کہ حضرت مسیح دشمنوں کے ہاتھوں قتل ہو گئے تھے۔ لیکن بایں ہمہ وہ ان کی الوہیت کا دعویٰ کرتے ہیں۔ حالانکہ بائیبل میں صاف لکھا ہے کہ :-

"کیا تو اس کے آگے جو تجھے قتل کرے گا پھر کہے گا کہ میں الٰہ ہوں ؟ لہٰذا تو اپنے قتل کرنے والے کے ہاتھ میں الٰہ نہیں بلکہ انسان ہے۔" (حزقیل ۲۸/۹)

مدعیٔ الوہیت قرار دیکر کسی کو مقتول ماننا کتاب کے مطابق اس کی الوہیت کا ابطال ہے۔ مگر تعجب ہے کہ غلط کار لوگ مقتول انسانوں کو بھی خدا ٹھہرا رہے ہیں۔

(۸) خدا قوی ہے

"خداوند کی آنکھیں ساری زمین پر دوڑتی پھرتی ہیں تاکہ ان کی مدد میں جن کا دل اسی پر تکیہ کرتا ہے اپنے تئیں قوی دکھائے۔"

(۲۔ تواریخ ۱۶/۹)

(۸) مسیح کمزور تھے

"تیسرے پہر کے قریب یسوع نے بڑی آواز سے چلا کر کہا ایلی ایلی لما سبقتانی یعنی اے میرے خدا اے میرے خدا! تو نے مجھے کیوں چھوڑ دیا۔" (متی ۲۷/۴۵)

---

(۹) خدا مارتا اور زندہ کرتا ہے

"خداوند مارتا ہے اور جلاتا ہے اور وہی گور میں اُتارتا ہے اور وہی اٹھاتا ہے۔"

(۱۔ سموئیل ۲/۶)

(۹) یسوع ناصری کو بھی خدا نے زندہ کیا

"یسوع مسیح ناصری جس کو تم نے صلیب دی اور خدا نے مُردوں میں سے جلایا۔ اسی کے نام سے یہ شخص تمہارے سامنے تندرست کھڑا ہے۔" (اعمال ۴/۱۰)

گویا اللہ تعالیٰ زندہ کرتا ہے اور مُردوں کو زندگی بخشتا ہے یسوع مسیح صلیب پر مر گئے۔ مُردوں میں شامل ہو گئے۔ اُن کو بھی خدا نے ہی زندہ کیا۔ ان مسلمات کے باوجود کوئی عقلمند انسان کس طرح کہہ سکتا ہے کہ یسوع مسیح خدا ہے؟

(۱۰) مسیح قدوس ہونے سے انکاری ہے	(۱۰) خدا قدوس ہے
"تو مجھے کیوں نیک کہتا ہے؟	"تو مجھے کیوں نیک کہتا ہے!
کوئی نیک نہیں مگر ایک یعنی خدا"	کوئی نیک نہیں مگر ایک یعنی خدا"
(لوقا ۱۸/۱۹)	(مرقس ۱۰/۱۸)

ان دونوں عبارتوں میں یسوع مسیح نے اپنے نیک کہے جانے کا انکار کیا ہے اور بتلایا ہے کہ نیک تو صرف ایک ہے اور وہ خدا ہے دوسرا کوئی نہیں۔ اس جگہ پادری صاحب "نیک" کی کچھ تاویل کریں مگر یہ تو عیاں ہے کہ وہ معنے حضرت مسیح پر چسپاں نہیں ہوتے کیونکہ وہ خدا نہیں۔ اور نہ خدا کی صفت قدوس میں وہ شریک نہیں۔ متی کی انجیل میں لفظ یوں ہیں:-

"نیک تو ایک ہی ہے۔" (۱۹/۱۷) پس الوہیت مسیح باطل ہے۔

حجم۔ ہمارے مذکورہ بالا مختصر بیان سے ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ میں جو لازوال صفات، قدرت، علم، قدوسیت، اختیار و ملکیت، خالقیت، اجابتِ دعوات، حیاۃ، قوت، نجات دینا اور احیاء و اماتت وغیرہ ہیں ان میں سے کوئی بھی بذاتہ حضرت مسیح کو حاصل نہ تھی اسلئے ان کی الوہیت کا خیال محض بے بنیاد خیال ہے۔ یوں تو مورتی پوجا والوں نے اپنے پتھروں کے متعلق بھی عجیب عجیب افسانے تماشے رکھے ہوتے ہیں مگر حقیقت بہرحال حقیقت ہے۔

از رُوئے واقعات حضرت مسیحؑ کی زندگی کسی پہلو سے نادر اور غیر معمولی زندگی نہ تھی۔ صرف نبیوں میں سے ایک نبی سے ملتی جُلتی زندگی تھی۔ عیسائیت کے نظریہ کے مطابق تو انہوں نے جو چند سال زندگی بسر کی وہ بھی نہایت مظلومی کی زندگی تھی۔ مشکل کے وقت حواریوں نے بھی بے وفائی کی۔ ایک نے تیس روپے لیکر پکڑوا دیا باقی چھوڑ کر بھاگ گئے۔ دشمن یہودیوں نے بے کسی اور بے بسی کے عالم میں دار پہ کھینچ دیا اور بقول نصاریٰ انہیں صلیب پر مارنے میں کامیاب ہو گئے۔ ظاہر ہے اس واقعاتی زندگی میں تو اُن کی الوہیت کا کوئی سراغ نہیں ملتا۔ کوئی دلیل اور مشاہدہ تو دُور کی بات ہے۔ یوں تو ہر مظلوم کو اس کے غلو کرنے والے پیرو کار الوہیت کے عرش پر بٹھا دیا کرتے ہیں مگر یہ کوئی حجت اور بُرہان نہیں ہے۔ ہم پادری عبد الحق صاحب کو پُرزور دعوت دیتے ہیں کہ یونانیوں کے پارینہ نظریاتی افسانوں سے الگ ہو کر معقول بُرہان، الہامی حجت اور باہر دلیل سے حضرت مسیحؑ کی الوہیت کو ثابت کر کے دکھائیں کیا وہ ایسا کر سکیں گے؟ ان کے تحریری بیانات نفی یا اثبات میں جواب دیں گے؟

۱۱۔ بائیبل میں بھی دوسرے الہامات و مکالمات کی طرح محکم اور متشابہ دو قسم کے کلمات پائے جاتے ہیں۔ ہر فصیح و بلیغ کلام میں استعارہ و مجاز موجود ہوتا ہے مگر بہت سے لوگوں کے لئے یہی اعلیٰ درجہ کا کلام ٹھوکر کا موجب

ہو جاتا ہے۔ وہ اپنی کوتاہ فہمی سے اصل بات کو نہیں سمجھتے۔ وہ مجاز کو حقیقت اور باطن کو ظاہر پر محمول کر کے لغزش کھاتے ہیں۔ بائیبل پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ویدوں میں ایشور کو ماتا کا تصور دیکر اس کے پیار کا نقشہ کھینچا گیا ہے اسی طرح بائیبل میں اللہ تعالیٰ کو باپ قرار دیکر اس کی محبت کو انسان کے سامنے لایا گیا ہے۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نہ حقیقت میں ماں ہے نہ باپ ہے۔ اس بناء پر خدا کے پیاروں اور مقربوں کے لئے اس کے بیٹوں کا محاورہ رواج پذیر ہو گیا۔ اور کثرت سے صلحاء کے لئے یہ لفظ ابن اللہ وغیرہ انہی معنوں میں استعمال ہونے لگا۔ حقیقت میں نہ اللہ تعالیٰ ماں یا باپ ہے اور نہ ہی آدم زاد حقیقی طور پر اس کے بیٹے ہیں۔ یہ تو سمجھانے کے لئے محض مثالیں ہیں۔ بائیبل میں صدہا مرتبہ خدا کے بیٹے کا محاورہ استعمال ہوا ہے۔ بطور نمونہ ملاحظہ فرمائیں:۔

(۱) "اسرائیل میرا بیٹا بلکہ میرا پلوٹھا ہے۔ (خروج ۴/۲۲)

(۲) "تم خداوند اپنے خدا کے فرزند ہو۔" (استثناء ۱۴/۱)

(۳) خدا کے بیٹوں نے آدمیوں کی بیٹیوں کو دیکھا۔ (پیدائش ۶/۲)

(۴) میں اس (سلیمانؑ) کا باپ ہوں گا اور وہ میرا بیٹا ہوگا۔ (۱۔ تواریخ ۱۷/۱۳)

(۵) وہ میرا بیٹا ہوگا اور میں اس کا باپ ہوں گا۔" (۱۔ تواریخ ۲۲/۱۰)

(۶) میں نے اسے چن لیا کہ میرا بیٹا ہو۔ (۱۔ تواریخ ۲۸/۶)

(۷) تو میرا بیٹا ہے مَیں آج کے دن تیرا باپ ہُوا۔ (زبور ۲/۷)

(۸) یتیموں کا باپ اور بیواؤں کا ولی خدا ہے۔ (زبور ۶۸/۵)

(۹) مَیں نے تو کہا کہ تم الٰہ ہو اور تم سب حق تعالیٰ کے فرزند ہو۔ پر تم بشر کی طرح مروگے۔" (زبور ۸۲/۶-۷)

(۱۰) تم زندہ خدا کے فرزند ہو۔ (ہوسیع ۱/۱۰)

(۱۱) مبارک ہیں وہ جو صلح کراتے ہیں کیونکہ وہ خدا کے بیٹے کہلائینگے۔ (متی ۵/۹)

(۱۲) تمہارا باپ ایک ہی ہے جو آسمانی ہے۔ (متی ۲۳/۹)

(۱۳) سب مومن خدا کے فرزند ہیں۔ (یوحنا ۱/۱۲)

(۱۴) مومن "خدا سے پیدا ہوئے"۔ (یوحنا ۱/۱۳)

(۱۵) "جتنے خدا کی روح کی ہدایت پر چلتے ہیں وہی خدا کے بیٹے ہیں"۔ (رومیوں ۸/۱۴)

(۱۶) "ہم خدا کے فرزند ہیں"۔ (رومیوں ۸/۱۶)

(۱۷) "تمہارے شاعروں میں سے بھی بعض نے کہا ہے کہ ہم تو اسکی نسل بھی ہیں"۔ (اعمال ۱۷/۲۸)

(۱۸) جو کوئی محبت رکھتا ہے وہ خدا سے پیدا ہوا ہے۔ (۱-یوحنا ۴/۷)

(۱۹) "اس کے بیٹے کے ہم شکل ہوں تاکہ وہ بہت سے بھائیوں میں پہلوٹھا ٹھہرے۔" (رومیوں ۸/۲۹)

(۲۰) "انہوں نے اس سے کہا ہم حرام سے پیدا نہیں ہوئے ہمارا ایک باپ ہے یعنی خدا۔ یسوع نے ان سے کہا اگر خدا تمہارا باپ ہوتا تو تم مجھ سے محبت رکھتے اسلئے کہ میں خدا میں سے نکلا اور آیا ہوں کیونکہ میں آپ سے نہیں آیا بلکہ اسی نے مجھے بھیجا۔ ..... تم اپنے باپ ابلیس سے ہو۔" (یوحنا ۸/۴۱-۴۴)

معزز قارئین! ان بطور نمونہ بیس۲۰ حوالہ جات سے ظاہر ہے کہ بائیبل میں خدا کا بیٹا ایک عام متعارف محاورہ ہے جو بطور مجاز پیاروں اور سچے متبعین کے لئے استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرز پر مسیح کے لئے ابن اللہ کا لفظ استعمال ہو جانے سے ان کی الوہیت پر استدلال کرنا سراسر غلطی ہے۔

۱۲۔ مدعی الوہیت کے دعویٰ کا ثبوت بھی بڑی صراحت اور وضاحت سے موجود ہونا ضروری ہوتا ہے مگر اناجیل اپنی کمزور تاریخی حیثیت کے باوجود اپنی روایات میں اختلافات کے باوجود اس بارے میں کوئی واضح بیان پیش نہیں کرتیں۔ ملاحظہ فرمایئے لکھا ہے:۔

(۱) "جب یسوع قیصریہ فلپی کے علاقے میں آیا تو اپنے شاگردوں سے یہ پوچھا کہ لوگ ابن آدم کو کیا کہتے ہیں؟ انہوں نے کہا بعض

یوحنا بپتسمہ دینے والا کہتے ہیں۔ بعض ایلیاہ۔ بعض یرمیاہ یا نبیوں میں سے کوئی۔ اس نے ان سے کہا مگر تم مجھے کیا کہتے ہو۔ شمعون پطرس نے جواب میں کہا تُو زندہ خدا کا بیٹا مسیح ہے۔"

(متی ۱۶/ ۱۳-۱۶)

(۲) "راہ میں اس نے اپنے شاگردوں سے یہ پوچھا کہ لوگ مجھے کیا کہتے ہیں۔ انہوں نے یہ جواب دیا کہ یوحنا بپتسمہ دینے والا۔ اور بعض ایلیا اور بعض نبیوں میں سے کوئی۔ اس نے ان سے پوچھا لیکن تم مجھے کیا کہتے ہو؟ پطرس نے جواب میں اس سے کہا کہ تو مسیح ہے۔ پھر اس نے انہیں تاکید کی کہ میری بابت کسی سے یہ نہ کہنا۔"

(مرقس ۸/ ۲۷-۳۰)

(۳) "جب وہ تنہائی میں دُعا مانگ رہا تھا اور شاگرد اس کے پاس تھے تو ایسا ہوا کہ اُس نے اُن سے پوچھا کہ لوگ مجھے کیا کہتے ہیں۔ انہوں نے جواب میں کہا یوحنا بپتسمہ دینے والا اور بعض ایلیاہ کہتے ہیں اور بعض یہ کہ قدیم نبیوں میں سے کوئی جی اٹھا ہے۔ اس نے ان سے کہا لیکن تم مجھے کیا کہتے ہو؟ پطرس نے جواب میں کہا کہ خدا کا مسیح۔ اس نے ان کو تاکید کرکے حکم دیا کہ یہ کسی سے کہنا۔"

(لوقا ۹/ ۱۸-۲۱)

ان عبارتوں سے ظاہر ہے کہ عوام حضرت مسیحؑ کو ایک عام نبی سمجھتے تھے اور ان کے خیال میں ان کا یہی دعویٰ تھا۔ حواریوں نے بھی مسیح یا زیادہ سے زیادہ بائیبل کے محاورہ میں "خدا کا بیٹا مسیح" سمجھا تھا۔ مگر حضرت مسیحؑ نے حواریوں کو تاکیدی حکم دیا تھا کہ یہ بات کسی سے ذکر نہ کرنا۔

یہودی حضرت مسیحؑ کے وقت میں تین شخصوں کے منتظر تھے اسی لئے انہوں نے حضرت یوحنا کے انکار پر کہا تھا "اگر تو نہ مسیح ہے نہ ایلیاہ۔ نہ وہ نبی۔ تو پھر بپتسمہ کیوں دیتا ہے" (یوحنا $\frac{1}{25}$) اسی لئے حضرت مسیحؑ کے ظہور پر ان میں مختلف خیالات پھیل گئے۔ یہودی بلاشبہ مسیح کی آمد کے قائل تھے مگر وہ کسی ایسے مسیح کے قائل نہ تھے جو خدائی کا دعویدار ہوگا۔ یہود کا اجماع اس بات پر تھا کہ ان کا مسیح ان کی مصیبتوں کو ختم کر دیگا مگر وہ نبی ہوگا خدا نہ ہوگا۔ وہ استقراء سے بھی جانتے تھے کہ انسانوں کی اصلاح کے لئے ہمیشہ سے انسان ہی نبی اور رسول ہو کر آتے رہے ہیں کبھی خدا خود انسانی جامہ میں نہیں آیا۔ اسلئے وہ آنے والے موعود کو نبی ہی سمجھتے تھے اور حضرت مسیحؑ نے بھی ہمیشہ اپنے آپ کو ان کے سامنے بطور نبی اور رسول ہی پیش فرمایا۔ اسی لئے یہود کے تمسخر پر افسردہ ہو کر فرمایا کہ:۔

"نبی اپنے وطن اور اپنے رشتہ داروں اور اپنے گھر کے سوا اور کہیں بے عزت نہیں ہوتا۔" (مرقس $\frac{6}{4}$)

"کوئی نبی اپنے وطن میں مقبول نہیں ہوتا۔" (لوقا $\frac{4}{24}$)

"نبی اپنے وطن میں عزت نہیں پاتا" (یوحنا ۴/۴۴)

۱۳- اناجیل سے حضرت مسیح کا اگر کوئی دعویٰ ثابت ہو سکتا ہے تو وہ صرف نبی اور رسول ہے اور یہ ظاہر و باہر ہے کہ جو نبوت کا مدعی ہوگا وہ الوہیت کا دعویدار نہیں ہو سکتا کیونکہ نبی خدا سے بکثرت غیب کی خبریں پانے والے کو کہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ خدا اور خدا سے غیب کی خبریں پاتے والا ایک نہیں ہو سکتا۔ لغت میں لکھا ہے:۔ النبی: المخبر عن الغیب او المستقبل بالهام من الله (المنجد). بہرحال حضرت مسیح کا دعوئ نبوت ثابت ہے جس سے خود بخود ثابت ہو جاتا ہے کہ انہیں الوہیت کا ہرگز دعویٰ نہ تھا۔ وہ خدا کی طرف سے مامور ہونے کے مدعی تھے۔ اس موضوع پر طوالت سے بچتے ہوئے دیگر انجیلی حوالہ جات کو فی الحال ترک کیا جاتا ہے صرف تین حوالے درج کئے جاتے ہیں:۔

اوّل۔ حضرت مسیح اللہ تعالیٰ کے حضور عرض کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ:۔

"ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدا واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں" (یوحنا ۱۷/۳)

گویا نجات کے لئے مسیح کے وقت میں دو باتوں کا جاننا اور ان پر ایمان لانا ضروری تھا۔ ایک یہ کہ اللہ تعالیٰ واحد لاشریک لہٗ ہے اور دوسرے یہ کہ حضرت مسیح خدا کے رسول اور بھیجے ہوئے ہیں۔ گویا سچی مسیحیت کا یہ کلمہ تھا کہ

"لا الٰہ الّا اللّٰہ عیسیٰ رسول اللّٰہ"۔ اب بتلایا جائے کہ مسیح کی الوہیت اور خدائی کے لئے کہاں جگہ رہ جاتی ہے؟

دوم:۔ "پس میں تمہیں آگاہ کرنا چاہتا ہوں کہ ہر مرد کا سر مسیح، اور عورت کا سر مرد، اور مسیح کا سر خدا ہے۔" (۱۔کرنتھیوں ۱۱/۳)

سوم:۔ "خدا ایک ہے اور خدا اور انسانوں کے بیچ میں درمیانی بھی ایک یعنی یسوع مسیح جو انسان ہے۔" (۱۔تمطاؤس ۲/۵)

اِن دونوں حوالوں سے آفتاب نیمروز کی طرح ثابت ہے کہ حضرت مسیح کے سچے متبعین انہیں انسان مانتے تھے۔ البتہ خدا اور عام انسانوں کے درمیان جیسا کہ نبی ہوتے ہیں ایک مقدس نبی مانتے تھے۔ مسیح اپنے ماننے والوں کیلئے مطاع تھے جیسا کہ وہ خود اللہ تعالیٰ کے مطیع و فرمانبردار تھے۔

پس الوہیتِ مسیح کا خیال یقیناً غلط اور بے بنیاد ہے۔

۴:۔ اب ہم اخیر پر اِس بارے میں حضرت مسیح کا ایک اور قطعی اور آخری فیصلہ پیش کرتے ہیں۔ بات یہ تھی کہ بائیبل کے محاورے کے مطابق "ابن اللہ" کا لفظ خدا کے پیارے کے معنوں میں یہودیوں میں عام مروج تھا۔ حضرت مسیح کے وقت یہودی عام طور پر کہا کرتے تھے کہ "ہمارا ایک باپ ہے یعنی خدا" (یوحنا ۸/۴۱) اس طرح وہ خدا کے پیارے اور مقرب ہونے کا دعوےٰ کرتے تھے اور اس اظہار سے غرض ان کی یہ ہوتی تھی کہ ہمیں حضرت عیسیٰؑ کو ماننے کی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت

مسیح بار بار یہود کو سمجھاتے تھے کہ اگر تم واقعی خدا کے مقرب یا بیٹے ہوتے تو میں جو خدا کی طرف سے آیا ہوں مجھ پر ایمان کیوں نہ لاتے اور میری مخالفت کیوں کرتے۔ تمہارے رویہ سے ظاہر ہے کہ تم خدا کے بیٹے نہیں ہو ورنہ اس کی اطاعت کرتے۔ "تم اپنے باپ ابلیس سے ہو" (یوحنا ۸:۴۴) صاف عیاں ہے کہ حضرت مسیح علیہ السلام کے اس معقول جواب پر یہود کو لاجواب ہونا پڑتا تھا۔ وہ چیں بجبیں ضرور ہوتے تھے مگر کچھ کر نہ سکتے تھے۔

ابن اللہ کے لفظ کا یہ مجازی استعمال یہود کے علاوہ نصاریٰ میں بھی شائع تھا۔ قرآن مجید فرماتا ہے کہ جس طرح حضرت عیسیٰؑ کے انکار کے لئے یہود نے یہ کہہ کر بہانہ بنایا تھا کہ "ہم حرام سے پیدا نہیں ہوئے ہمارا ایک باپ ہے یعنی خدا۔" اسی طرح سرورِ کونین محمد مصطفےٰ صلے اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے ظہورِ پُرنور کے وقت یہود و نصاریٰ دونوں نے انکار کا یہی بہانہ بنایا تھا فرماتا ہے:-

وقالت الیھود والنصاریٰ نحن ابنٰٓؤا اللّٰہ واحبّاؤہ
قل فلم یعذّبکم بذنوبکم بل انتم بشر
ممّن خلق یغفر لمن یشاء ویعذب من یشاء
وللّٰہ ملک السّمٰوٰت والارض وما بینھما و
الیہ المصیر۔ (المآئدہ: ۱۸)

یہود و نصاریٰ نے کہا کہ ہم تو اللہ کے بیٹے اور پیارے

ہیں کہہ دے کہ پھر وہ تمہارے گناہوں پر تمہیں عذاب کیوں دیتا
ہے بلکہ تم خدا کی مخلوق میں عام انسان ہو اللہ جسے چاہتا ہے
معاف کرتا ہے اور جسے چاہتا ہے عذاب دیتا ہے آسمانوں
وزمین اور درمیانی سب چیزوں پر اسی کی حکومت ہے اور
تمہارا لوٹنا اسی کی طرف ہے۔"

اسی مجازی استعمال کے سلسلہ میں حضرت شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلویؒ
نے بھی تحریر فرمایا ہے کہ:۔

"دریں باب بلفظ شائع در ہر قوم تکلم واقع شد۔ اگر لفظِ
ابناء بجائے محبوبان ذکر شدہ باشد چہ عجب۔" (الفوز الکبیر ص)

ہم پھر اصل مضمون کی طرف عود کر کے کہتے ہیں کہ لفظ ابن اللہ کا یہ مجازی
استعمال حضرت مسیحؑ کے کلام میں بھی ہوتا تھا جو یہود کا روزمرہ کا محاورہ تھا'
کوئی انوکھی بات نہ تھی۔ اس کا اتنا ہی مطلب تھا کہ حضرت مسیحؑ مقرب بارگاہِ
ایزدی ہیں اور یہ بات بلاشبہ سچ تھی کہ یہود کے مغضوب علیہم ہونے کے
باعث اپنے وقت میں حضرت مسیحؑ شروع میں اکیلے ہی محبوبِ خداوند تعالےٰ
تھے۔ گویا وہ اوّل المسلمین تھے اور بائیبلی محاورے میں خدا کے
اکلوتے بیٹے تھے۔ جب حواریوں کو توفیقِ ایمان ملی تو اگرچہ ایک رنگ
میں حضرت مسیحؑ کی اوّلیت تو قائم رہی لیکن ان کے دوسرے ہمرنگ بھائی بھی

پیدا ہو گئے اسی لئے لکھا ہے کہ :-

"جنہیں اس نے پہلے سے جانا انہیں پہلے سے مقرر بھی کیا کہ اس کے بیٹے کے ہم شکل ہوں تاکہ وہ بہت سے بھائیوں میں پہلوٹھا ٹھہرے"۔ (رومیوں ۸/۲۹)

۱۵۔ ہم خوب جانتے ہیں کہ یہودی حضرت مسیح کے دلی دشمن تھے اور وہ کسی نہ کسی بہانہ حضرت مسیح کو ہلاک کرنا چاہتے تھے۔ کبھی انہیں حکومت کا باغی قرار دیکر حکومت سے سزا دلانا چاہتے تھے اور کبھی یہودی علماء مذہبی اشتعال پیدا کر کے عوام کو حضرت مسیح کے خلاف بھڑکانا چاہتے تھے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہودی عالموں نے باپ اور بیٹے کے اس روزمرہ کے استعمال کو مجاز سے نکال کر حقیقت پر محمول کر کے عوام یہودیوں کو حضرت مسیح کے خلاف مسموم کر رکھا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ مسیح جب اپنے لئے ابن اللہ کا لفظ استعمال کرتا ہے تو اس سے اس کی مراد یہ ہے کہ وہ سچ مچ خدا بنتا ہے اور اپنے آپ کو حقیقی بیٹا قرار دیتا ہے اور یہ کفر ہے لہٰذا مسیح واجب القتل ہے۔ انجیل سے ثابت ہے کہ ایک بڑے یہودی اجتماع کے موقعہ پر یہودی علماء نے یہ شرارت پورے زور سے کھڑی کی تھی لکھا ہے :-

"یروشلم میں عید تجدید ہوئی اور جاڑے کا موسم تھا۔ اور یسوع ہیکل کے اندر سلیمانی برآمدے میں ٹہل رہا تھا۔ پس یہودیوں

نے اس کے گرد جمع ہو کر اس سے کہا تو کب تک ہمارے دل کو
ڈانواڈول رکھے گا۔ اگر تُو مسیح ہے تو ہم سے صاف کہدے
یسوع نے انہیں جواب دیا کہ مَیں نے تو تم سے کہدیا مگر تم یقین
نہیں کرتے۔ جو کام مَیں اپنے باپ کے نام سے کرتا ہوں وہی
میرے گواہ ہیں۔ لیکن تم اسلئے یقین نہیں کرتے کہ میری بھیڑوں
میں سے نہیں ہو۔ میری بھیڑیں میری آواز سُنتی ہیں اور مَیں انہیں
جانتا ہوں اور وہ میرے پیچھے پیچھے چلتی ہیں اور مَیں انہیں ہمیشہ
کی زندگی بخشتا ہوں اور وہ ابد تک کبھی ہلاک نہ ہوں گی اور
کوئی انہیں میرے ہاتھ سے چھین نہ لیگا۔ میرا باپ جس نے مجھے
وہ دی ہیں سب سے بڑا ہے اور کوئی انہیں باپ کے ہاتھ سے
نہیں چھین سکتا۔ مَیں اور باپ ایک ہیں —— یہودیوں نے
اسے سنگسار کرنے کے لئے پھر پتھر اٹھائے۔ یسوع نے انہیں
جواب دیا کہ مَیں نے تم کو باپ کی طرف سے بہتیرے اچھے
کام دکھائے ہیں ان میں سے کس کام کے سبب مجھے سنگسار
کرتے ہو؟ یہودیوں نے اسے جواب دیا کہ اچھے کام کے سبب
نہیں بلکہ کفر کے سبب تجھے سنگسار کرتے ہیں اور اسلئے کہ
تو آدمی ہو کر اپنے آپ کو خدا بناتا ہے۔ یسوع نے

انہیں جواب دیا گیا تمہاری شریعت میں یہ نہیں لکھا ہے کہ میں نے کہا تم خدا ہو ؟۔ جبکہ اس نے انہیں خدا کہا جن کے پاس خدا کا کلام آیا اور کتاب مقدس کا باطل ہونا ممکن نہیں۔ آیا تم اس شخص سے جسے باپ نے مقدس کر کے دنیا میں بھیجا کہتے ہو کہ تو کفر بکتا ہے اسلئے کہ میں نے کہا میں خدا کا بیٹا ہوں ؟" (یوحنا $\frac{10}{22-36}$)

یہ نہایت واضح اور ابنیت مسیح کے بارے میں ایک فیصلہ کن بیان ہے۔ حضرت مسیح اقرار کرتے ہیں کہ بے شک میں نے کہا ہے کہ "میں خدا کا بیٹا ہوں"۔ مگر میرے اس قول کی بنا پر یہود کو ہرگز یہ حق نہیں پہنچتا کہ مجھے سنگسار کریں اور مجھے کہیں کہ تو کفر بکتا ہے۔

سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہود کو کیوں یہ حق نہیں پہنچتا جبکہ خدا واحد لاشریک ہے اس کا کوئی بیٹا نہیں ہے۔ وہ بیٹوں سے پاک ہے اور آپ (مسیح) خدا کا بیٹا ہونے کے مدعی ہیں ؟ حضرت مسیح جواباً وضاحت فرماتے ہیں کہ میں نے بیٹا کہہ کر ہرگز یہ نہیں کہا کہ "آدمی ہو کر اپنے آپ کو خدا بنایا ہو۔ یہ مجھ پر یہود کا جھوٹا الزام ہے میں نے تو یہ لفظ عام مجازی اطلاق اور روزمرہ کے محاورہ کے طور پر استعمال کیا ہے اور اس کے لئے میرے پاس کتاب مقدس ہی بڑی سند موجود ہے۔ دیکھو خدا نے پہلے عبریوں کو جن کے پاس خدا کا کلام آیا تھا خدا کہا ہے

اور تم مانتے ہو کہ یہ کلمہ کفر نہیں اور وہ خدائی کے مدعی ثابت نہیں ہوتے تو اب اگر میں نے اسی طرز پر صرف یہ کہہ دیا کہ میں خدا کا بیٹا ہوں تو اس سے کفر کا الزام کیونکر ثابت ہو سکتا ہے اور تمہارا مجھے سنگسار کرنا کیونکر روا ہو سکتا ہے؟

حضرت مسیحؑ کی اس تصریح اور اس واضح جواب پر یہودیوں کے مُنہ بند ہو گئے اور وہ کوئی بات جواب میں کہہ نہ سکے ہاں اتنا لکھا ہے کہ :-

"انہوں نے پھر اس کے پکڑنے کی کوشش کی لیکن وہ انکے ہاتھ سے نکل گیا۔"

اس بیان سے روزِ روشن کی طرح ثابت ہے کہ حضرت مسیحؑ کا قول "میں خدا کا بیٹا ہوں" بالکل اسی طرح کا مجازی کلام ہے جس طرح خدا تعالیٰ کا انبیاء سابقین کے لئے فرمان "تم الٰہ ہو تم سب حق تعالیٰ کے فرزند ہو" مجازی تھا بخود حضرت مسیحؑ نے دونوں جملوں کو یکساں اور ہم معنی قرار دیا ہے۔ دونوں جگہ یہی مراد ہے۔ کہ جس طرح پہلے انبیاء اللہ تعالیٰ کو پیارے تھے اسی طرح حضرت مسیحؑ بھی اللہ تعالیٰ کو پیارے ہیں۔ اس سے زیادہ نہ ابنیت کا سوال ہے اور نہ خدائی کا مسئلہ ہے۔

یہ تو یہودی علماء کی خطرناک سازش اور بدترین شرارت تھی کہ وہ حضرت مسیحؑ کی طرف غلط مفہوم اور ناجائز مطلب منسوب کر کے انہیں کفر کا مرتکب اور واجب القتل ثابت کرنا چاہتے تھے سخت مقامِ افسوس ہے کہ جو الزام یہود نے

حضرت مسیح پر ازراہِ شرارت لگایا تھا اسے بعد کے عیسائیوں نے ازراہِ غلو اپنا لیا۔ کچھ اوّلین کمزور اور سادہ لوح عیسائیوں کی سادگی یا انتقامی کارروائی تھی اور بعد کے پادریوں اور قسادِسہ کی ضد اور ہٹ دھرمی کہ حضرت مسیح کو مدعیٔ الوہیت قرار دیدیا گیا۔ اور الوہیتِ مسیح کو ایک مسئلہ بنا دیا گیا۔ اور پھر ثنویت سے تثلیث تک نوبت پہنچادی گئی اور توحید، انبیاء کا مشترک مقصد، عیسائیت کے ریگستان میں گم ہو کر رہ گئی۔ مگر حق حق ہی ہے۔ اللہ تعالیٰ توحید کو قائم کرے گا اور سب جھوٹے معبود پاش پاش ہوں گے۔ واٰخر دعوٰنا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔

ربوہ۔ پاکستان　　　　ابوالعطاء جالندھری

۱۴؍جون ۶۲ء

پادری عبد الحق کا دوسرا پرچہ

(نوٹ) آئندہ ہر چھٹی اور پرچہ قلم اور سیاہی سے لکھا کریں۔ ورنہ پنسل سے لکھی ہوئی کوئی تحریر قابلِ التفات متصور نہ ہوگی۔

ربوہ کے احمدی علماء کی خدمت میں مولوی ابوالعطاء صاحب کی معرفت

احمدی علماء کے غاصبانہ پرچہ کا جواب (دوسرا پرچہ)

بعد ما وجب۔ آپ نے اپنے پرچہ کا عنوان "پہلا جوابی پرچہ" رکھا ہے جو کہ صریح غلط بیانی ہے۔ کیا آپ آئندہ پرچہ میں ہمارے گذشتہ پرچہ کا نمبروار حوالہ دے کر دکھا سکتے ہیں کہ پیشِ نظر پرچہ میں آپ نے ہماری کن باتوں کا جواب دیا ہے؟ ہمارے پرچہ کو لوہے کے چنے تصور کر کے واپس بھیجنے کی چال کی غرض یہی تھی کہ اس کا جواب لکھنے کی بجائے آپ منکر ہونے کے باوجود مدعی بن جائیں۔ اسی کو غصب کہتے ہیں۔ فی الحقیقت از روئے عقل و انصاف آپ کا یہ پہلا ہولناک پرچہ ردی کی ٹوکری کے سپرد کرنے کے قابل ہے۔ اور جب تک ہمارے پرچہ کا واقعی جواب نہ لکھیں آپ کو کسی طرح یہ حق نہیں پہنچتا کہ ہمارے پہلے مدعیانہ پرچہ کے استدلال کو بکلی نظر انداز کر کے اور اپنی طرف سے اس کے غیر متعلق

پرچہ مرتب کر کے "جوابی پرچہ" کے غلط نام سے ہمارے پاس جواب کے لئے بھیج دیں۔ ہم صرف آپ کی جھوٹی شیخیوں اور ڈینگوں کا پول کھولنے اور آپ کو درِ خانہ تک پہنچانے کے لئے ایسی دُور از کار باتوں کا جواب لکھ رہے ہیں۔ اور اس وقت تک لکھیں گے جب تک آپ کے ہاں الوہیتِ مسیح کے مخالفین کی نقلیات کا ذخیرہ ختم نہ ہو لے۔

(الف) قرآن شریف کی پیش کردہ آیت میں مسیح ابن مریم سے مراد یقیناً وہ بشریت ہے جو آج سے دو ہزار سال پیشتر مقدسہ مریم سے تولد ہوئی۔ لیکن عہد عتیق کی پیشگوئی کے مطابق مسیح موعود کی دو حیثیتیں بیان کی گئیں۔ "ہمارے لئے ایک لڑکا تولد ہوا اور ہم کو ایک بیٹا بخشا گیا۔" (یسعیاہ ۹: ۶)

اس سے ظاہر ہے کہ لڑکا "تولد" ہوا۔ مگر بیٹا "بخشا" گیا یعنی پیدا نہیں ہوا پس قرآن شریف کے رُو سے کفر کا عقیدہ یہ ہے کہ مسیح ابن مریم کو بشری حیثیت سے اللہ مانا جائے۔ اور از روئے قرآن شریف تثلیث سے مراد بھی اللہ اور اس کی بیوی مریم اور اس کا جسمانی بیٹا مسیح ہے۔ چنانچہ :- "اذ قال اللّٰہ یا عیسی ابن مریم ء انت قلت للناس اتخذونی و اُمی الٰھین من دون اللّٰہ" (المائدہ $\frac{16}{116}$۔) "لقد کفر الذین قالوا ان اللّٰہ ثالث ثلاثۃ۔" ($\frac{10}{73}$ المائدہ) "کانا یاکلان الطعام۔" (المائدہ $\frac{10}{75}$) اور ابن اللہ کے برخلاف استدلال بھی اسی بنا پر

پیش کیا گیا ہے :۔" انّٰی یکون لہٗ ولدٌ ولم تکن لہٗ صاحبۃٌ (انعام ۱۰۱/۱۲) پس اِس تصریح کو صحیح مسیحی عقیدہ سے کوئی تعلق نہیں۔ ہم نہ ابن مریم کی بشریت کو اللہ قرار دیتے ہیں اور نہ مقدسہ مریم کو خدا کی بیوی اور نہ اللہ کو مریم اور عیسیٰ کے ساتھ تیسرا معبود۔

(ب) استثناء ۶:۴ + اور متی ۲۲:۳۷ کے حوالے ہمارے عقیدہ کے برخلاف قطعاً نہیں۔ تاوقتیکہ آپ خدا تعالیٰ کو واحد محض اور واحد مطلق ثابت نہ کر دکھائیں۔ ہم یہوواہ الوہیم اور ہو تھیاس کی وحدت ذاتی کے قائل ہیں نہ کہ وحدتِ عددی یا وحدت ضدی (ایسی وحدت جو ہر طرح کی کثرت کی ضد کے طور پر مفروض ہو) کے۔ اگر اس موضوع پر کچھ لکھنے کی ہمت ہو۔ تو بے دلیل کفر کے فتویٰ لگانے کی بجائے ہمارے رسالہ اثبات التثلیث (طبع دوم) کا جواب لکھیں۔

(ج) متی ۴:۱۰ ایں غیر خدا کو سجدہ کرنا ممنوع ٹھہرایا گیا ہے۔ لیکن حدیث تقریری کے معتقدین اس حقیقت کا انکار نہیں کر سکتے کہ خداوند یسوع مسیح نے اپنے لئے سجدہ اور الٰہی خطاب کو جائز ٹھہرایا۔ (متی ۸:۲ + ۹:۱۸ + ۱۵:۲۵ + مرقس ۵:۶ + لوقا ۲۴:۵۲ + یوحنا ۲۰:۲۸)

(ا) غیر مسلم اور مخالفانہ اقتباس پیش کر کے اپنے دلی کینہ کا اظہار نہ معقولیت ہے نہ شیوہ مردانگی۔ اور اِس توضیح واضح کی کیا ضرورت کہ خداوند

یسوع مسیح کا ابن اللہ ہونا اسلام اور مسیحیت میں "بڑا مذہبی تنازعہ ہے"۔ کیا مناظرہ کے بے باکانہ چیلنج انہی خرافات کے لئے دیئے گئے تھے کہ خدا تعالیٰ کے تخت پر بیٹھ کر اور اپنے کو نجات کی حاجت سے مستغنی تصور کر کے ہمیں "سزا میں گرفتار" ہونے کا فیصلہ سُنائیں؟ اس نمبر میں کوئی دلیل یا الوہیتِ مسیح کے برخلاف کوئی معقول اعتراض پیش نہیں کیا گیا۔ صرف مسیحیت کے متعلق قادیانی مخالفانہ ذہنیت کا اظہار کیا گیا ہے۔ قرآن شریف کے اقتباس میں خداوند یسوع مسیح کی بشریت کو الوہیت فرض کر کے اور ابن اللہ کا غلط مفہوم لیکر اس کے برخلاف جو کچھ کہا گیا ہے اس سے صحیح مسیحی عقیدہ کو سرِ مو تعلق نہیں۔ نہ اس عقیدہ کو ماننے سے آج دو ہزار سال تک آسمان پھٹے ہیں اور نہ مسیحی جماعت کسی طرح کی غیر معمولی اور دوسری قوموں سے نرالی سزا میں گرفتار ہوئی۔ بلکہ دنیا کی تمام مذہبی اقوام کے مقابل ہر طرح کی برکتوں کے اعتبار سے اسے تقدم حاصل ہے اور اسی عقیدہ کو ماننے والی قوتیں کمیونزم کے الحاد کے مقابل مذہب کا نام دنیا میں محفوظ رکھنے کے لئے سینہ سپر ہیں۔

(۲) جس توحید کے آپ قائل ہیں وہ رومیوں ۱: ۹-۲۲ کے مطابق از روئے استدلال انی ثابت نہیں ہو سکتی۔ بلکہ کائناتِ عالم کا ذرہ ذرہ اور ساری مخلوقات کسی واحد مطلق کی ہستی کے امکان کے برخلاف گواہی دے رہی ہے حتیٰ کہ نہ آپ اس موہومہ واحد مطلق کی مثال پیش کر سکتے ہیں اور نہ کائناتِ عالم

سے استدلالی ثبوت، یا ایسی وحدت کا ثبوتی مفہوم جو ہر طرح کی کثرت کی ضد کے طور پر ہو۔ ہم مانتے ہیں کہ صرف خدا تعالیٰ کی عبادت کرنا چاہیئے۔ لیکن محدود لیاقتوں سے غیر محدود و ازلی و لطیف حقیقی معبود کا تصوّر اور کسی طرح کا صحیح علم و عرفان اور اس کی بلا واسطہ عبادت بکلّی محال و ممتنع ہے ۔ اور خداوند یسوع مسیح نے جو پیغام "اسرائیلیوں کو پہنچایا" اس سے مراد کوئی موہومہ واحد مطلق ہستی ہرگز نہیں بلکہ وہ واحد خدا ہے جس کی ذات میں باپ، بیٹا، روح القدس کی باطنی تثلیث موجود ہے (متی ۲۸ : ۱۹) ہم نہ صرف "پتھروں، درختوں، پرندوں، حیوانوں اور انسانوں کو خدائی جامہ پہنا کر انہیں اپنا معبود" گردانتے" اور ان کی عبادت کرنی شروع " کرنے کے برخلاف ہیں بلکہ ان میں سے کسی شئے کو حقیقی معبود کی عبادت کا واسطہ ٹھہرانا بھی جائز نہیں سمجھتے۔ نہ ان چیزوں کی نفی کے بعد چند سلوب و اضافات سے ایک موہومہ لفظی ڈھانچہ مرتّب کر کے وضعی الفاظ اور مکانی و زمانی حدود و قیود اور جسمانی و لسانی حرکات کے شغل کو اس کی سچّی پرستش قرار دیتے ہیں۔ کیونکہ :۔"تم جسے نہیں جانتے اس کی پرستش کرتے ہو۔ ہم جسے جانتے ہیں اس کی پرستش کرتے ہیں۔ ۔ ۔ مگر وہ وقت آتا ہے بلکہ اب ہی ہے کہ سچّے پرستار باپ کی پرستش روح اور سچائی سے کریں گے کیونکہ باپ اپنے لئے ایسے ہی پرستار ڈھونڈتا ہے۔ خدا روح ہے ضرور ہے کہ اس کے پرستار روح اور سچائی

سے پرستش کریں" (یوحنا ۴: ۲۲-۲۴)- اور حقیقی مظہر اللہ کے وسیلہ سے کامل عرفان کے حصول کے بعد اسی حقیقی اضافی قبلہ کے سوا غیر محدود خدا تعالیٰ کی عبادت کے لئے محض محدود و اتفاقی اور مادی و جسمانی وسائل ٹھہرانے کو شرک فی العبادت مانتے ہیں کیونکہ :- "خدا کا بیٹا آگیا ہے اور اس نے ہمیں سمجھ بخشی ہے تاکہ اس کو جو حقیقی ہے جانیں اور ہم اس میں جو حقیقی ہے یعنی اسکے بیٹے یسوع مسیح میں ہیں۔ حقیقی خدا اور ہمیشہ کی زندگی یہی ہے۔ اے بچّو! اپنے آپ کو بتوں سے بچائے رکھو" (۱-یوحنا ۵: ۲۰ و ۲۱)- رومیوں ۱: ۱۹-۲۳ کی عبارت سے احمدی ذہنیت کی خدا پرستی مراد لینا آپ کی غلط فہمی ہے۔ وہ بیان الوہیت کے محدود و حادث تجسم کے عقیدہ کے برخلاف نہیں بلکہ "غیر فانی خدا کے جلال کو فانی" اشیاء کی صورت میں بدل ڈالنے کے۔ ہم الوہیت کا جلال کسی مخلوق سے منسوب نہیں کرتے۔ نہ محض مخلوق اشیاء کے واسطہ سے اس کی حقیقی عبادت ممکن مانتے ہیں بلکہ اس حقیقت کو مظہر اللہ مانتے ہیں۔ جس میں فی الواقع الوہیت کا ظہور ہوا۔ جیسے کہ طبعی آگ سے الٰہی جلال منسوب کرنا اَور بات ہے اور آگ کی شکل میں الٰہی تجلّی اور ظہور ماننا امر دیگر ہے (احبار ۱۰: ۱ و ۲ + خروج ۱۹: ۱۸ + استثناء ۴: ۵) اسی طرح انسان پرستی اور انسانیت میں خدا تعالیٰ کا حقیقی اور ذاتی ظہور ماننے کے مابین زمین و آسمان کا فرق ہے۔ چنانچہ کلام مقدس اور خصوصاً

رومیوں کے اس مقام کے متعلق آپ کی باطل تاویل خود مقدس پولوس کی منشاء اور عقیدہ کے برخلاف ہے :" اور جسم کے رو سے مسیح بھی ان ہی میں سے ہے جو سب کے اوپر اور ابد تک خدائے محمود ہے"۔ (رومیوں ۹: ۵) اور اعمال ۷: ۲۴ و ۲۵ کی عبارت بھی ہمارے برخلاف نہیں۔ جو حقیقی اضافی بیت اللہ (یوحنا ۲: ۱۹-۲۱ + فلپیوں ۲: ۱۰ و ۱۱ + عبرانیوں ۱: ۶ + مکاشفہ ۲۱: ۲۲) کے وسیلہ سے غیر محدود و ازلی و لطیف حقیقی کی عبادت، روح و راستی سے کرتے ہیں۔ بلکہ ان کے برخلاف ہے جو حقیقی اضافی قبلہ سے منہ موڑ کر ہاتھ کے بنائے ہوئے مکانوں کو بیت اللہ قرار دیتے اور وضعی ناموں اور مادی اشیاء کے وسیلہ سے حقیقی اور غیر محدود ہستی کی پرستش کرتے ہیں۔ اور اعمال ۱۴: ۱۵ سے یہ تو ثابت ہے کہ رسولوں نے بُت پرستوں کو اپنی مشرکانہ تعظیم سے منع کیا لیکن خداوند یسوع مسیح کو خود اس کے رسولوں نے سجدہ کیا (متی ۲۸: ۱۶ + لوقا ۲۴: ۵۲) پس خدا کی پیدا کردہ کائنات سے جو ثبوتی توحید عیاں ہے وہ آپ کی مسلمہ سلبی توحید کے بالکل علی الرغم ہے۔ آپ حقیقی اضافی بیت اللہ کے وسیلہ سے غیر محدود ازلی و لطیف حقیقی معبود کی روح و راستی سے پرستش کو تو شرک قرار دیتے ہیں مگر اس کی بجائے موضوعات لفظی اور وسائطِ مادی اور محض جسمانی و لسانی اور زمانی و مکانی حدود و قیود سے مقید و محدود حرکات کو خدا پرستی پر محمول کرتے ہیں۔ پس اگر آپ

ہو سکے تو خدائے غیر محدود کی عبادت کا وہ طریق پیش کریں جس میں موضوعات لفظی اور ہاتھوں کی بنائی ہوئی عمارات اور محدود جسمانی حرکات اور زمانی قیود کو وسائل نہ ٹھہرایا گیا ہو۔ آپ یاد رکھیں کہ ساری چیزوں کی نیستی سے کسی ایک شئے کی ہستی مرتب نہیں ہو سکتی۔ نہ دنیا بھر کے لوگوں کو کافر قرار دینے سے آپ مومن بن سکتے ہیں۔ پس آپ دیگر مذاہب کی توحید کی تردید کرنے کی بجائے اپنی مسلّمہ توحید کا کوئی ثبوتی تصور اور تشریح اور کائنات عالم سے اس کی کوئی مثال تلاش کریں۔ بھلا آپ یہی پیش نہ کریں گے کہ خدا تعالیٰ کا نام "اللہ" ہے جو موضوع لفظی کے طور پر بت پرست عربوں میں اسلام سے پیشتر رائج تھا۔ اور وہ واحد مطلق ہے جس کی کوئی ثبوتی تعریف اور مثال پیش کرنا ممکن نہیں اور جو نہ سوتا ہے نہ کھاتا پیتا ہے نہ مرتا ہے وغیرہ ایسے سلبی امور سے متصف ہے جن کا کوئی ثبوتی مفہوم ہو نہیں سکتا۔ اور جس کے صفات حیاتؔ و علمؔ و قدرتؔ و سمعؔ و بصرؔ و کلامؔ و ارادہ ہیں۔ جن کا مفہوم جو کچھ انسانی سمجھ میں آتا ہے وہ اس بے مثل کی طرف منسوب کرنا اس کی صفات کو انسانی صفات سے مشابہ قرار دینے کے مرادف ہے (خواہ اُن الفاظ کے ساتھ بے حدّی کے سلبی لفظ کا اضافہ ہی کیوں نہ کر دیں) جو آپ کے نزدیک کفر ہے۔ اور خارج میں ان صفات سے متصف کسی محدود و حادث مظہر الٰہی کے عقیدہ کو آپ شرک قرار دیتے ہیں۔ پس صفاتی الفاظ تو انسانی فہم کے لئے مہمل ٹھہرینگے۔ اور ان الفاظ کے سوا

آپ کے پاس علمِ الٰہی کا اور کوئی وسیلہ موجود نہیں۔ پھر یہ صفات کسی احدِ مطلق کی طرف منسوب کرنا بھی عدم محض کو وجود کے پروں سے اُڑانے کی کوشش ہے رہیں. بتائیں کہ آپ کس برتے پر ہمارے عقائد کا منہ چڑاتے ہیں اور الٰہی علم و عرفان کے واحد ٹھیکہ دار بننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔

(۳) اِس نمبر میں بھی آپ کا وہی عملدرآمد ہے کہ ہمارے عقیدہ کے برخلاف کوئی عقلی دلیل یا ہمارے مسلّمات میں سے، کوئی الزامی بات پیش کرنے کی بجائے صرف مخالفانہ اقتباس پیش کر کے ہمیں کوسا ہے اور دیگر دُور از کار باتوں سے کاغذ سیاہ کر کے معقولیت سے اپنی تہی دامنی کا اظہار کیا ہے اور صداقت کا منہ چڑایا ہے۔ ایسی حرکات کا واقعی "انسان اپنی جہالت اور بے وقوفی کے باعث" مرتکب ہوتا ہے۔ امید ہے کہ آپ آئندہ پرچے لکھتے وقت احتیاط سے کام لیں گے اور بلا دلیل اور غیر مسلّم اقتباسات سے کاغذ سیاہ کرنے کی بجائے ہماری تردید ہمارے مسلّمات اور عقلی دلائل سے کریں گے ورنہ مخالفانہ اقتباسات پیش کرنے کے لئے ہمارے پاس بہت بڑی کتاب موجود ہے۔

(۴) ہم ایسے عاجز محض خدا پر ایمان نہیں لا سکتے جو اپنے کلام کی بھی حفاظت نہ کر سکے۔ بھلا جو اپنے کلام ہی کو ابلیسی قوتوں سے محفوظ نہ رکھ سکے۔ وہ ہماری حفاظت کیا کرے گا؟ پس ہمارا ایمان یہ ہے کہ خدا کا

کلام اپنی حقیقت میں مستقل اور بے تبدیل ہے:۔ "ہاں گھاس مُرجھاتی ہے اور
پھول کملاتا ہے پر ہمارے خدا کا کلام ابد تک قائم ہے" (یسعیاہ ۴۰: ۸)
"اسی طرح میرا کلام جو میرے مُنہ سے نکلتا ہے ہوگا۔ وہ بے انجام میرے
پاس واپس نہ آئے گا۔ بلکہ جو کچھ میری خواہش ہوگی وہ اسے پورا کرے گا اور
اس کام میں جس کے لئے مَیں نے اسے بھیجا مؤثر ہوگا" (یسعیاہ ۵۵: ۱۱)
"کیونکہ مَیں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب تک آسمان اور زمین ٹل نہ جائیں ایک
نقطہ یا ایک شوشہ توریت سے ہرگز نہ ٹلے گا" (متی ۵: ۱۸)، آسمان و زمین
ٹل جائیں گے لیکن میری باتیں ہرگز نہ ٹلیں گی" (لوقا ۲۱: ۳۳) "کیونکہ تم
فانی تخم سے نہیں بلکہ غیر فانی سے خدا کے کلام کے وسیلہ سے جو زندہ اور قائم
ہے ... یہ وہی خوشخبری کا کلام ہے جو تمہیں سُنایا گیا تھا" (۱ پطرس ۱: ۲۳-
۲۵) پس اگر "اناجیل میں آمیزش" ہے تو الوہیتِ مسیح کے موضوع پر" اس کا
ذکر بطورِ سرِ راہے" آپ کے لئے کیوں ضروری ہو گیا؟ کیا بے اصولاپن
بھی کوئی معقولیت و دیانت کی ضروریات میں سے ہے۔ ہم آپ سے کہیں
زیادہ ٹیکسٹوال کرٹی سزم کو جانتے ہیں اور آپ جیسے مخالفوں کے غیر معقول
اعتراضات سے پورے طور پر واقف ہیں۔ اس کے باوجود اگر ہم اس کی سچائی
پر صدق دلی سے ایمان رکھتے ہیں تو اس میں ہمارا ہی نقصان ہوگا آپ کو کیا
تکلیف پہنچ سکتی ہے؟ درحقیقت آپ کے پاس الوہیتِ مسیح کے برخلاف

بعض مخالفین کے عامیانہ اعتراضات نقل کرنے کے سوا کوئی معقول بات ہے نہیں اس لئے اِدھر اُدھر ہاتھ پاؤں مار کر اور دُور دراز کار باتوں سے کاغذ سیاہ کر کے نمبر شمار بڑھاتے ہیں۔ تا کہ اس موضوع پر معقولیت سے بحث و نظر کرنے میں آپ کی بے چارگی کی پردہ پوشی ہو سکے۔ اگر آج رب العالمین کی طرف سے ہر قوم اور ہر بولی اور درجہ و قابلیت کے لوگوں کی ہدایت کے لئے بائبل مقدس ایک ہمہ گیر اور کامل پیغام نہیں جس سے بدیہی طور پر بنی آدم کا دو تہائی سے زیادہ حصہ مستفید ہو رہا ہے تو اس کے مقابل کوئی اور کامل اور ہمہ گیر پیغام از روئے عقل و مشاہدہ ثابت کرنا غیر ممکن ہے۔ صرف کھوکھلے دعاوی اور ہمچو ما دیگرے نیست کی بلا دلیل ڈینگیں ہانکنا اور دوسرے مذاہب کے معتقدات کے برخلاف بلا ثبوت زبانِ تشنیع دراز کرنا کچھ آپ ہی سے مختص نہیں۔ آریہ سماجی ودوان اس امر میں آپ سے کہیں آگے ہیں۔ اور اسی طرح بہائی، سکھ، جین اور بدھ بھی کچھ کم نہیں۔

الحاصل ہمارے ایمان کے مطابق روح القدس خود اپنے کلام کی حفاظت و اشاعت کا کفیل ہے۔ ہمہوِ کتابت سے خدا تعالیٰ کے اٹل کلام کی حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا ”ولیس احد یزیل لفظ کتاب من کتب اللّٰہ“ اگر آپ کے نزدیک بائبل مقدس کے بیانات قابلِ قبول نہیں تو صرف عقلی دلائل سے باہمی نزاع کا فیصلہ ہو سکتا ہے۔ لیکن یہ ہم برداشت نہ کریں گے کہ

آپ خدائی دعویٰ کے ساتھ کلام مقدس کے حکم بن کر جو چاہیں قبول کریں اور جو چاہیں ردّ کریں۔ ہم قادیانی ذہنیت کے دین و ایمان سے کوسوں دُور بھاگتے ہیں جن کے نزدیک آسمانی کتابیں بھان متی کا پٹارہ ہیں کہ لفظی جوڑ توڑ سے جو چاہیں اُن میں سے نکال دکھائیں۔ "افتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض۔" پس آئندہ اس بحث کے پرچوں میں کلام مقدس کی تحریف کے متعلق کچھ لکھنے سے باز رہیں۔

(۵) اس نمبر میں بھی آپ نے بے بسی کے عالم میں اِدھر اُدھر کی مزخرفات سے نمبر شمار بڑھانے کی کوشش کی ہے اور یہ افترا کیا ہے کہ ہم نے "تعدد الٰہ اور تعدد عقول کا بوسیدہ مسئلہ اہل یونان کی تقلید میں اپنا لیا" ہے۔ بھلا اس بے بنیاد ہرزہ سرائی کا جواب ہم کیا دے سکتے ہیں؟ ہم آپ کو بقلم خود لکھ دیتے ہیں تاکہ سند رہے اور بوقت ضرورت کام آئے کہ ہم "تعدد الٰہ اور تعدد عقول" کے عقیدہ کو غیر معقول ڈھکوسلا اور کفر پر مبنی سمجھتے ہیں۔ ہمارے وہی عقائد ہیں جن کا بیان کلام مقدس میں موجود ہے۔ اور جس کو کلیسیا جامع مانتی چلی آئی ہے۔ ہاں آپ جیسے مسیحیت کے سخت مخالفوں کی مُنہ زوری کو روکنے کے لئے خدا کی وہ حکمت ضرور پیش کرتے ہیں (۱۔کرنتھیوں ۲: ۷) جسے خدا نے آپ کے مقابلہ کے لئے ہمیں بخشا ہے (لوقا ۲۱: ۱۵)

(۶) اگر آپ نے اب تک اِس حقیقت کو نہیں سمجھا تو اب اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ ہم آپ کے مسلّمہ واحدِ مطلق کی ہستی کے نہ قائل ہیں اور نہ اس کی قدرت اور کمال کے متعلق آپ سے "متفق" ہو سکتے ہیں۔ ہمارا اصل مابہ النزاع تو یہ ہے کہ ۱ خدا تعالیٰ واحدِ مطلق ہے یا اس کی وحدت ذاتی اور نسبتی ہے جس میں باطنی کثرت کا از روئے عقل امکان ہے اور ۲ واجب بالذات فقط حقیقتِ محضہ ہے یا اس کی حقیقت اضافی بھی ہے اور ۳ اس کی حقیقت اضافی کے حادث و محدود ظہور کے بغیر محدود و حادث قویٰ سے غیر محدود و ازلی کا حقیقی علم و عرفان ممکن ہے یا محال؟ اگر از روئے عقل اِن امور میں ہم راستی پر ہیں اور آپ کو عقلی طور پر ہمارے عقائد پر کوئی اعتراض نہیں تو پھر یہ تنازع باقی رہ جائے گا کہ وہ حقیقی اضافی مظہرِ خدا کوئی اَور ہے یا خداوند یسوع مسیح؟ خداوند کی شخصیت پر صرف تاریخی بحث ہو سکتی ہے یا خدا کے کلام پر ایمان رکھنے سے اعتقادی۔ مگر عقلی بحث تو کسی شئے کی ضرورت یا امکان یا امتناع پر ہی ہو سکتی ہے نہ کہ واقعاتِ خارجیہ پر۔ اور بدیں نظر جبکہ ہمارے اور آپ کے درمیان الوہیت کا حقیقی مفہوم ہی متعین و متفق علیہ نہیں تو الوہیتِ مسیح پر صحیح و معقول مناظرہ کا امکان کیسے پیدا ہو سکتا ہے؟ پس صحیح طریق وہی تھا جو ہم نے پیش کیا تھا کہ پہلے ذاتِ الٰہی پر مناظرہ ہو پھر اس کے تجسّم پر۔ موجودہ صورت میں تو ہم آپ کے نقل کردہ شکوک اور عذرات کا جواب دے سکتے ہیں

اس کو حقیقی مناظرہ نہیں کہہ سکتے۔

آپ نے اس نمبر میں بھی "کلامِ الٰہی" یا "عقلِ انسانی" سے کوئی اعتراض نہیں پیش کیا بلکہ ہمارا اور اپنا وقت ضائع کیا ہے۔ ہاں آپ کا نمبر شمار ضرور بڑھ گیا ہے۔ ہم جو پرچہ آپ کے پاس پہلے بھیج چکے ہیں اس میں ہم نے "کلام الٰہی" اور "قانونِ قدرت" اور "عقلِ انسانی" سے ہی ابن اللہ کے تجسّم کی ضرورت ثابت کی ہے۔ اگر آپ کے فہم میں ان باتوں کے بیان میں کسی قسم کی کمی رہ گئی ہو تو اس کا ثبوت پیش کئے جانے پر ہم اس کی تکمیل کے لئے تیار ہیں۔

(۷) اِس نمبر میں بھی آپ نے ہمارے صحیح عقیدہ سے ناواقفی اور غلط فہمی کا اظہار کیا ہے۔ چنانچہ ہمارے عقیدہ کے مطابق دوسرے خدا کو ماننے کا امکان ہی نہیں رہتا۔ کیونکہ دوسرے خدا کو ماننے کا امکان وہاں ہو گا جہاں خدا تعالےٰ کی واحد عددی مانی جائے گی۔ غیر محدود خدا، واحد بالعدد نہیں ہو سکتا اسلئے کہ واحد محدود سے زیادہ دو اور بہت سے محدودات کا تصوّر ممکن ہے لیکن غیر محدود سے زائد کا تصوّر ہی محال ہے۔ پس جیسا خدا آپ مانتے ہیں اس مفہوم کے موہومہ خدا اور آپ کے متصوّرہ ابن اللہ دونوں کا ہم انکار کرتے ہیں۔ آپ کسی واحد مطلق ہستی کو کامل الصفات اور قوی الطاقت اور حی القیوم تا ابد ثابت نہیں کر سکتے۔ آپ نے دو محدودوں کی تردید کے طفلانہ شغل

سے بے فائدہ کاغذ سیاہ کیا اور نمبر شمار بڑھانے کی ضرورت کو پورا کیا ہے جبکہ ہم نہ دو معدود ازلیوں کے قائل ہیں اور نہ ایک معدود ازلی کے۔ بلکہ ہمارا غیر متناہی خدا ہر طرح کی کمیتِ متصلہ و منفصلہ سے پاک ہے اور ہمارے مسلّمات کے رُو سے خدا تعالیٰ کی ذات و اقانیم و صفات میں عددی وحدت و کثرت کو دخل ہی نہیں۔ اور دو اقنوموں میں ما بہ الامتیاز ان کا تشخص اور صفات کے فعل ہیں۔ ما بہ الامتیاز کے متعلق کمال یا نقص کے حصر سے آپ نے عقلِ سلیم کی ہنسی اڑائی ہے۔ آپ بتائیں کہ آپ کے مسلّمہ خدا تعالیٰ کی صفتِ علم و قدرت میں ما بہ الامتیاز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو یہ الفاظ مہمل ٹھہرے اور ذاتِ الٰہی، صفات سے خالی۔ اور بلا صفات کے ذات کی تعریف محال۔ اور اگر ہے تو کمال ہے یا نقص؟ پھر واجب الوجود کے وجوب اور وجود میں ما بہ الامتیاز ہے یا نہیں؟ اگر نہیں تو تعریف باطل، اور اگر ہے تو قادیانی منطق کے رُو سے کمال ہوگا یا نقص۔ آپ کو عقلی بحث کے میدان میں ہاتھ پاؤں مارنے کا شوق تو ہے مگر اپنے خلافِ عقل مسلّمات کی وجہ سے آپ بے بس ہیں۔

(۸) آپ نے کتابِ مقدس سے وحدتِ الٰہی کے حوالے بھی توضیح واضح کے طور پر کسی ضرورت کے بغیر پیش کر کے نمبر شمار بڑھانے کی کوشش کی ہے ورنہ آپ کو خوب معلوم ہے کہ ہمارا اور آپ کا باہمی اختلاف خدا تعالیٰ کی وحدت کے لفظ پر نہیں بلکہ وحدت کے مفہوم اور مصداق پر ہے۔ اگر آپ نے غلط فہمی

سے ہمارے لئے وحدت الہٰی کا حوالہ پیش کرنے کی ضرورت سمجھی تھی تو ہمارے لئے کتابِ مقدس کا ایک ہی حوالہ اور ایک ہی فرمان کافی تھا پس بتائیے کہ یہ آپ کی معقولیت سے تہی دامنی کا ثبوت نہیں تو اور کیا ہے کہ ابن اللہ کے تجسم کے برخلاف کوئی بات پیش کر ہی نہیں سکتے۔ اور غیر متعلق وحدتِ الہٰی کے حوالے پیش کر رہے ہیں۔ آپ ہی بتائیے کہ ان بارہ الہامی حوالہ جات سے واضح طور پر آپ کا مسلمہ واحد مطلق خدا کیسے ثابت ہو گیا؟ اور کیا بائبل مقدس کے "الوہیم" کا اطلاق کسی واحد مطلق پر ممکن ہے؟

(۹) آپ نے "پادری صاحبان کے مسلمہ دس صفاتِ باری کا ذکر بائبل کے مطابق درج کر کے" ثابت کیا ہے کہ آپ پادریوں کی مسلمہ ذاتِ باری سے واقف ہیں اور نہ اس کے صفاتِ حقیقیہ سے۔ جیسے کہ ہم بتائیں گے کہ سلوب و اضافات و آثار سے ہم خدا تعالیٰ کے ذاتی اور ازلی صفات مراد نہیں لیتے۔

(الف) ہم آپ کے مسلمہ واحد مطلق کا عقیدہ نہیں مانتے جس کے ساتھ بائبل مقدس کے بیان کردہ صفات کی نسبت محال ہے اور جس کا ثبوت "کلامِ الہٰی" "قانونِ قدرت" اور "عقلِ انسانی" سے بہم نہیں پہنچ سکتا۔

(ب) ہم خداوند یسوع مسیح کو آپ کے موہومہ واحدِ مطلق کا ظہور نہیں قرار دیتے اس لئے آپ یا تو ہمارے مسلّمات کے مطابق خداوند یسوع مسیح کے صفات کا مطالبہ کر سکتے ہیں اور اس صورت میں اس میں یقیناً الہٰی اور انسانی

صفات پائے جائیں گے اور آپ کا ظرف کے صفات سے مظروف پر اور مظروف کے صفات سے ظرف پر اعتراض غیر معقول ٹھہرے گا۔ اور یا استدلال انی کے رُو سے "قانونِ قدرت" اور "عقلِ انسانی" کے مطابق پوچھ سکتے ہیں لیکن آپ اپنے مسلمات کا پابند ہمیں نہیں بنا سکتے جب تک کہ کوئی عقلی ثبوت پہلے نہ پیش کریں۔

(ج) خالق[۱]۔ علیم کل[۲]۔ دعائیں سُننا[۳]۔ نہ سونا[۴]۔ قدرت[۵] و اختیار کا مالک ہونا۔ زندہ ہونا[۶]۔ ہلاکت سے[۷] بچانا۔ قوی ہونا[۸]۔ مارنا اور[۹] جلانا۔ قدوس ہونا[۱۰] وغیرہ صفات کسی واحدِ مطلق سے منسوب نہیں ہو سکتے۔ اور ہم اپنے پہلے پرچہ میں ابن اللہ کا تجسم "کلامِ الٰہی" اور "قانونِ قدرت" اور "عقلِ انسانی" تینوں سے ثابت کر چکے ہیں۔

(د) احدی منطق کے مطابق ہم ان دس صفات کے متعلق پوچھتے ہیں کہ ان میں مابہ الامتیاز کمال ہے یا نقص۔ اگر کمال ہے تو ایک صفت کے کمال سے باقی ۹ صفات ناقص ٹھہریں گے۔ اس لئے آپ صرف ایک کامل صفت کا تعین کر کے اسی کا مطالبہ ہم سے کر سکتے ہیں کیونکہ ہم ناقص الوہیت کے قائل نہیں۔ اور اگر نقص ہے تو آپ کا مطالبہ از خود باطل ٹھہرے گا۔

(ہ) خالق ہونا[۱]۔ کل اشیاء کا عالم ہونا[۲]۔ دعائیں سننا[۳]۔ دوسروں کو ہلاکت سے[۷] بچانا۔ مارنا اور[۹] زندہ کرنا یہ پانچوں صفات فعلی اور اضافی ہیں۔

پس یہ صفات ذات کے آثار ہیں ازلی و ذاتی صفات نہیں ہو سکتے۔ ورنہ مخلوقات[1]۔ موجوداتِ محضہ[2]۔ دعائیں کرنے والوں[3]۔ ہلاک ہونے والوں[4] اور مرنے اور زندہ ہونے والوں[5] کی ازلیت لازم آئے گی۔ پس ایسی باتوں کو ذاتِ الٰہی کی حقیقی شناخت کے لئے صفات ذاتی و ازلی قرار دینا سراسر غیر معقول ہے اور شانِ وجوب کے منافی۔ بنا بریں قادیانی مسلمات کے مفہوم الٰہی کے مطابق ہم سے اثباتِ الوہیت کا مطالبہ سراسر ناجائز ہے۔

(و) قدرت[5] و قوت[6] کو دو الگ الگ صفتیں ماننا بھی کج فہمی ہے۔ پھر جو باتیں ان صفات سے منسوب کی گئی ہیں وہ بھی اضافی اور حادث آثار ہیں۔

(ز) نہ سونا[7] اور قدوس[8] ہونا دونوں سلبی امور ہیں۔

(ح) حیات[9] کو صفت ماننے سے :-

اوّل۔ دیگر صفاتِ باری پر اس کا تقدم بالذات لازم آئیگا۔ کیونکہ ازروئے استدلال انّی، علم و قدرت کے لئے حیات شرط ہے اور حیات کے لئے علم و قدرت شرط نہیں۔ پس حیات کے مقابل دیگر صفات کمتر ٹھہریں گے۔

دوم۔ حیات ادنیٰ مخلوق یعنی نباتات اور حیوانات کی صفت ہو سکتی ہے لیکن روح خود زندگی ہے۔ پس حیات کو ذاتِ باری کی صفت اسی

صورت میں قرار دے سکتے ہیں جبکہ از روئے استدلال انی بطور مثال ادنیٰ مخلوق کو اس کی صورت پہ مانیں نہ کہ اعلیٰ مخلوق کو۔

(طؔ) جو باتیں خداوند یسوع مسیح کی طرف منسوب کی گئی ہیں وہ ازلی ابن اللہ سے متعلق نہیں بلکہ اس کے محدود و حادث ظرفِ ظہور سے پس جبکہ ہم خود اس کی بشریت کے قائل ہیں تو ہمارے مسلمات کے برخلاف اسے محض خدا فرض کرکے اعتراضات کرنا کیونکر معقول ٹھہر سکتا ہے ؟

(یؔ) خدا تعالیٰ اپنی ذات وصفات میں بے مثل ہو گا۔ اگر نہ سونا الوہیت کا خاصہ ہو تو بعض غیر خدا جو سونے کی حاجت نہیں رکھتے وہ بھی اِس الٰہی صفت سے متصف ہوں گے۔ مثلاً پتھر، فرشتے اور ابلیس۔

(کؔ) آپ کے عذرات وایرادات کا تفصیلی جواب یہ ہے :۔

اوّل۔ عذر: مسیح نے ایک ذرہ بھی پیدا نہیں کیا۔

جواب۔ خدا تعالیٰ نے جو کچھ خلق کیا وہ سب کلام اور بیٹے کے وسیلہ سے خلق کیا (پیدائش ۱: ۲۶ + زبور ۳۳ : ۶ + یوحنا ۱: ۱-۳ + کلسیوں ۱: ۱۵ و ۱۶ + عبرانیوں ۱: ۱ و ۲ + ۱۱: ۳) "اذا قضیٰ امراً فانّما یقول له کن فیکون" (آل عمران ۵/۴۷) بلکہ ابن اللہ تجسم کے بعد بھی واسطۂ تخلیق ٹھہرا۔ انّی اخلق لکم من الطین کھیئة الطیر فانفخ فیه فیکون طیراً باذن

اللہ" (آل عمران ۳/۴۹)

دوسرا عذر:- اللہ تعالیٰ علیم کل ہے مسیح علیم کل نہیں (متی ۲۴: ۳۶+ مرقس ۱۱: ۱۲ و ۱۳)

جواب - ۱. متی ۲۴: ۳۶ کا جواب یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کا علم فعلی و ازلی ہے۔ جس میں گزشتہ و آئندہ زمانہ کا امتیاز نہیں۔ بلکہ اس کے نزدیک ہزار سال اور ایک دن اور ایک پہر برابر ہیں (زبور ۹۰: ۴ + ۲ پطرس ۳: ۸) مگر خداوند یسوع مسیح کے لئے از روئے بشریت انفعالی و زمانی علم بھی ممکن ٹھہرا۔ اور اس طرح کے علم کی خارجی واقعات کے ساتھ ملازمت بدیہی امر ہے۔ پس خداوند یسوع مسیح نے قیامت کے تحقق خارجی کے انفعالی علم سے انکار کیا نہ کہ اس کے فعلی و حضوری علم سے۔ کیونکہ وہ خود قیامت اور سبب قیامت ہے۔ (یوحنا ۱۱: ۲۵ + اکرنتھیوں ۱۵: ۲۱) اور قیامت کے تحقق خارجی کا وقت معین نہیں ہے بلکہ اس میں کمی بیشی اور تقدم و تاخر ممکن ہے۔ (متی ۲۴: ۲۲ + مرقس ۱۳: ۱۰ و ۲۰ + ۲ پطرس ۳: ۸ و ۹ + مکاشفہ ۶: ۱۱) اور اس قسم کے علم کا انکار قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کی طرف منسوب ہے:- "ام حسبتم ان تدخلوا الجنّة ولمّا یعلم اللہ الّذین جاھدوا منکم" (آل عمران ۳/۱۴۲)

۲. مرقس ۱۱: ۱۲ و ۱۳ + (اوّلاً) اس واقعہ کی بناء پر خداوند

یسوع مسیح کی طرف لاعلمی کی نسبت مخالفانہ احمدی ذہنیت کا نتیجہ ہے نہ خداوند یسوع مسیح نے اپنی لاعلمی کا اقرار کیا اور نہ مقدس مرقس کو اس واقعہ کے بیان کرنے کی یہ غایت ہی ملحوظ ہو سکتی ہے کہ وہ "یسوع مسیح ابن خدا" (مرقس ۱:۱) کو عقل بالفعل سے کورا ثابت کرے۔

(ثانیاً) اس باطل تاویل سے ذاتِ الٰہی کی حکمت و قدرت کی توہین لازم آتی ہے کہ خداوند یسوع مسیح نے تو اپنی لاعلمی سے درخت پر ناحق لعنت کی لیکن خدائے قدوس و حکیم نے اپنی سُنت کے برخلاف (امثال ۲۶: ۲) اس درخت کے سکھانے میں اپنی قدرت کو مؤثر ٹھہرایا۔

(ثالثاً) مقدس مرقس نے صاف لکھا ہے کہ وہ انجیر کا موسم نہ تھا۔ پس اس کے یہ لکھنے کا مطلب ہرگز نہیں ہو سکتا کہ وہ "ابن خدا" کو عام عقل سے بھی کورا ثابت کرے۔ کیا کوئی مغربی پنجاب کے دیہات اور شہروں میں گھومنے والا ذی ہوش شخص ۳۲ سال سے زائد عمر تک بیریوں کے پھل کے موسم سے ناواقف رہ سکتا ہے؟ نبی کو تو انسانِ کامل ہونے کی جہت سے عقل مستفاد کا درجہ حاصل ہونا چاہیئے۔ لیکن احمدی عقل و ایمان کے رُو سے حکیم مطلق ایسے ناقص العقل انسانوں کو نبوت کے لئے برگزیدہ کرتا ہے جو عقل بالفعل سے بھی بے بہرہ ہوں۔ حالانکہ جو شخص زمین کی بدیہی باتوں کا شعور نہیں رکھتا وہ آسمان کے فوق النظر حقائق کو کیا سمجھ سکے گا؟ (یوحنا ۳: ۱۲)۔ پس

احمدی منطق کا یہ استنباط خدا تعالیٰ اور اس کے مسیح کی صریح توہین ہے اور انجیل نویس کی منشاء کے برخلاف یہ تاویل "یتاولونہ علی غیر تاویلہ" کا مصداق ٹھہر کر تحریف معنوی اور ہندو فلسفہ کے مطابق "واک چھل" (لفظی دھوکہ) کا حکم رکھتی ہے۔

(رابعاً) خداوند یسوع مسیح نے ایسی تاویل کرنے والوں کی حکمت کو باطل ٹھہرانے کے لئے بتا دیا کہ وہ انجیر کے درخت کے موسمی تاثرات سے بخوبی آگاہ ہے:۔ "اب انجیر کے درخت سے ایک تمثیل سیکھو۔ جونہی اس کی ڈالی نرم ہوتی ہے اور پتے نکلتے ہیں تم جان لیتے ہو کہ گرمی نزدیک ہے" (مرقس ۱۳: ۲۸)

(خامساً) اگرچہ اس واقعہ کی حقیقت کا انکشاف احمدی فہم کے نزدیک مقبول ٹھہرنے کی توقع نہیں تو بھی طالبانِ حق کے استفادہ کیلئے معروض ہے کہ:۔

"کسی نے تاکستان میں ایک انجیر کا درخت لگایا ——— وہ اس میں پھل ڈھونڈنے آیا اور نہ پایا اس پر اس نے باغبان سے کہا کہ دیکھ تین برس سے مَیں اس انجیر کے درخت میں پھل ڈھونڈنے آتا ہوں ——— اس نے جواب میں اس سے کہا کہ اے خداوند اس سال تو اَور بھی اسے رہنے دے اگر

آگے کو پھلا تو خیر۔ نہیں تو اس کے بعد کاٹ ڈالنا۔"

(لوقا ۱۳: ۶-۹)

"ربُ الافواج کا تاکستان بنی اسرائیل کا گھرانا ہے اور
بنی یہوداہ اس کا خوشنما پودا ہے۔" (یسعیاہ ۵: ۷)

پس چونکہ تاکستان (بنی اسرائیل کا گھرانا) اسیری کے بعد نام ونشان کھو چکا تھا اور صرف بنی یہوداہ کا خوشنما پودا (جو انجیر کی مثال تھا۔) باقی رہ گیا جس کے پھل کا خداوند نے اپنی خدمت کے تین سال تک انتظار کیا۔ اور اس کے بعد فرمایا کہ:۔ اے یروشلم اے یروشلم ــــــ مَیں نے کتنی بار چاہا کہ جس طرح مرغی اپنے بچوں کو پروں تلے چھپا لیتی ہے اسی طرح مَیں بھی تیرے لڑکوں کو جمع کر لوں مگر تم نے نہ چاہا۔ دیکھو تمہارا گھر تمہارے لئے ویران چھوڑا جاتا ہے۔" (متی ۲۳: ۳۷ و ۳۸) "اس قوم پر غضب ہوگا اور وہ تلوار کا لقمہ ہو جائیں گے اور اسیر ہو کر سب قوموں میں پہنچائے جائیں گے اور جب تک غیر قوموں کی میعاد پوری نہ ہو۔ یروشلم غیر قوموں سے پامال ہوتا رہے گا۔" (لوقا ۲۱: ۲۳ و ۲۴) پس یہ لعنت انجیر کی مثال یہودی قوم پر تھی۔ جو اعمالِ شرعی کے پتوں سے بھری ہوئی اور باطنی پاکیزگی کے پھل سے محروم تھی۔ (متی ۱۵: ۸ + ۲۳: ۲۳-۲۸) چنانچہ اس کے لئے انجیر کی تمثیل بیان کی گئی (لوقا ۱۳: ۶-۹) اور بطور تمثیل ایک انجیر کے درخت

پر لعنت کی گئی۔ جیسے کہ حزقی ایل ۴: ۱-۳ + اور ۲۴: ۳ میں بنی اسرائیل کے تمثلات مذکور ہیں:۔ "لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل علی لسان داؤد وعیسی ابن مریم" (المائدہ ۱۱/۷۸)

سوم۔ عذر۔ حضرت مسیح نے دعائیں مانگیں۔

جواب۔ خداوند یسوع مسیح کی بشریت نے بتدریج کمال حاصل کیا (لوقا ۲: ۴ و ۵۲ + عبرانیوں ۲: ۱۰) پس "اس نے اپنی بشریت کے دنوں میں" دعائیں کیں۔ (عبرانیوں ۵: ۷) اور خداوند یسوع مسیح کی بشریت کے عقیدہ کے ساتھ اسے دعا سے مستغنی ٹھہرانا قابل اعتراض ہو گا نہ کہ اس کا دعا مانگنا لیکن ابن اللہ کی حیثیت میں وہ دعائیں قبول کرنے والا بھی ہے۔ اگرچہ یہ امر قادیانی فہم میں نہ آسکے۔ لیکن کلام مقدس کی گواہی موجود ہے:۔ (یوحنا ۱۴: ۱۳ + متی ۱۸: ۲۰ + اکرنتھیوں ۱۶: ۲۴ + ۲ کرنتھیوں ۱۳: ۱۴ + ۲ تھسلونیکیوں ۳: ۱۸ + مکاشفہ ۳: ۱۸)

چہارم۔ عذر۔ مسیح گہری نیند سوتے تھے۔

جواب۔ جبکہ ہمارا اعتقاد ہی یہ ہے کہ خداوند یسوع مسیح ابن انسان بھی ہے اور وہ لوازمات بشری سے مستغنی نہ تھا تو پھر اعتراض کیسا؟ اگر احمدی منطق کے مطابق مظروف پر ظرف کے حکم کا اطلاق صحیح ہو تو کسی آدمی کو ذی روح ثابت کرنا ممکن نہ ہو گا۔ کیونکہ زید و عمر بھوکے پیاسے ہوتے

اور سوتے ہیں۔ اور رُوح کو نہ بھوک اور پیاس لگے گی اور نہ نیند۔ پس احمدی منطق کے مطابق اُن کی رُوح کا انکار اسی طرح لازم آئے گا جیسے کہ خداوند یسوع مسیح کی الوہیت کا۔ اور اگر ابن اللہ کی انسانیت کے لئے سونے کی حاجت ہی اس کی الوہیت کے لئے قابلِ اعتراض تھی تو اب وہ اعتراض بھی جاتا رہا کیونکہ اب یقیناً خداوند یسوع مسیح کو نیند کا محتاج نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ پس اب وہ الٰہی صفت سے متصف ہو گیا۔ کیا اس احمدی منطق کے مطابق اگر ظرف کے ہر حکم کا اطلاق مظروف پر ضروری ہو تو کسی بھی کتاب مثلاً بائیبل مقدس کو کلام اللہ کہنا کفر ہو گا اور کسی محدود و حادث بشری صوت کا یہ دعویٰ کہ "میں تیرے باپ کا خدا یعنی ابرہام کا خدا اور اضحاق کا خدا اور یعقوب کا خدا ہوں"۔ (خروج ۳: ۹) کفر ٹھہرے گا۔

پنجم۔ عذر۔ مسیح کو اختیار و قدرت حاصل نہیں تھی۔ (متی ۲۰: ۲۳)

جواب۔ پیش کردہ حوالہ میں خداوند نے اپنے اختیار اور قدرت کا انکار نہیں کیا۔ بلکہ یہ احمدی معترضین کے کہنہ مشق قلم کا کرشمہ ہے کہ "کام" کے لفظ کو "اختیار و قدرت" میں تبدیل کر دیا۔ چنانچہ خداوند نے یہ فرمایا کہ دائیں بائیں کسی کو بٹھانا میرا کام نہیں۔ جیسے کہ باپ کے متعلق بتایا کہ۔ "باپ کسی کی عدالت بھی نہیں کرتا" (یوحنا ۵: ۲۲) اور اسی طرح روح القدس کے متعلق لکھا ہے:۔ "لیکن یہ سب تاثیریں وہی ایک روح کرتا ہے اور جس کو

جو چاہتا ہے بانٹتا ہے" (۱ کرنتھیوں ۱۲ : ۱۱) پس صفات فعل تو صفات ذات کے آثار ہیں نہ کہ ازلی و ذاتی صفات - اور جیسا کہ کلام مقدس کے حوالوں سے بیان کیا گیا باپ - بیٹا - روح القدس، صفات فعل میں ممتاز ہیں جیسے کہ سورج کی شعاع میں روشنی، گرمی اور کیمیائی فعل کے اسباب بالذات متحد ہیں اور بالآثار ممتاز -

اور دائیں بیٹھنے کے مفہوم کو "حکم کی اطاعت" سے وہی نسبت ہے جو گھٹنے کو خیر آباد سے - دراصل احمدی علماء ہر طرح کی علمی و عقلی پابندیوں سے آزاد ہیں اور جس طرح چاہیں الفاظ کو توڑ مروڑ کر ان کے معنی نکال سکتے ہیں -

ششم - عذر - مسیح پر موت آگئی -

جواب - احمدی علماء کو خداوند یسوع مسیح کے پیدا ہونے پر تو اعتراض نہیں مگر مرنے پر اعتراض ہے - حالانکہ جو پیدا ہو وہ مرتا بھی ہے - اور کلام مقدس میں بیان کیا گیا ہے کہ خداوند یسوع مسیح نہ صرف مر گیا بلکہ جی بھی اٹھا - کیونکہ اس کی دو حیثیتوں کے اعتبار سے بشری کمزوری کے سبب سے موت ضروری تھی اور الٰہی قدرت کے سبب سے قیامت ضروری تھی (رومیوں ۱ : ۳ و ۴ + ۲ کرنتھیوں ۱۳ : ۴ + ۱ پطرس ۳ : ۱۸) اسی موت کے وسیلہ سے اس نے موت اور عالم ارواح پر فتح حاصل کی (عبرانیوں ۲ : ۱۴ + مکاشفہ ۱ : ۱۸) اور مردوں کی قیامت کا سبب ٹھہرا (یوحنا ۱۱ : ۲۴ + ۱ کرنتھیوں ۱۵ : ۲۱ و ۲۲ + کلسیوں

۱:۱۸+مکاشفہ ۱:۵) اور اس کے بغیر استدلال انی کے رُو سے فنا پر ابدی زندگی کے تسلّط اور مُردوں کی قیامت کا عقیدہ بے بنیاد ٹھہرے گا۔

الحاصل جبکہ خداوند یسوع مسیح کی بشریت پر موت آئی تو اس سے اسکی الوہیت پر کیا اعتراض۔ کیا احمدی علماء اپنی جسمانی موت کے ساتھ ہی روحوں کی فنا کے بھی معتقد ہیں؟ اگر آپ کی جسمانی موت کے ساتھ آپ کی روحوں پر موت نہیں آتی تو خداوند یسوع مسیح کی جسمانی موت سے اس کی الوہیت پر موت کیسے آئی؟

ھفتم۔ عذر۔ مسیح دشمنوں کے ہاتھوں قتل ہوئے۔

جواب۔ جبکہ خداوند یسوع مسیح کی موت ہی قتل سے واقع ہوئی تو قادیانی علماء نے صرف نمبر شمار بڑھانے کے لئے اس کی موت کو قتل سے الگ کر دیا۔ بہرکیف جس جسمانی زندگی سے خداوند یسوع مسیح کی الوہیت متعلق تھی وہ واقعی دشمنوں کے قبضہ میں آئی۔ اگر یہ الوہیت کی کمزوری کی دلیل ہے اور خدا کی قدرت سے مراد جسمانی قوت و غلبہ ہے تو چونکہ دنیا میں نیکی ہمیشہ مغلوب اور بدی غالب رہتی ہے اس لئے نیکی، کمزوری اور بدی قدرت ٹھہرے گی۔ اور خدا تعالےٰ چونکہ محض نیک ہے اس میں بدی قطعاً نہیں اسلئے وہ بھی محلِّ ضعف ٹھہرا اور قدرت سے خالی۔ پھر جن نبیوں کو خدا تعالےٰ نے بھیجا وہ دشمنوں کے ہاتھوں دُکھ اور ذلت اٹھاتے رہے اور چونکہ وہ خدا تعالےٰ

کے ایلچی تھے اس لئے قادیانی منطق کے مطابق اس سے خدا کی کمزوری ثابت ہو گی۔ نیز یہ امر بدیہی طور پر ثابت ہے کہ دنیوی طور پر شیطان اور گناہ کیطرف راغب زیادہ اور خدا اور نیکی کی طرف مائل بہت کم لوگ ہیں بلکہ خدا کے دشمن دندناتے پھرتے اور خدا تعالیٰ کے برخلاف کفر بکتے ہیں پس قادیانی ذہنیت کے مطابق، خدا تعالیٰ کمزور اور بے بس اور اس کے مطابق شیطان اور اس کے شریر لوگ غالب ٹھہریں گے لیکن اگرچہ آپ کے نزدیک ظلم، بدی، اور ایذا، قدرت ہے اور تحمل، نیکی اور ایثار کمزوری ہے۔ کلام مقدس کا فیصلہ اس کے بکلی برخلاف ہے۔ چنانچہ :۔ "تو نے ذبح ہو کر اپنے خون سے ہر ایک قبیلہ اور اہل زبان اور امت اور قوم میں سے خدا کے واسطے لوگوں کو خرید لیا ـــــ ذبح کیا ہوا برہ ہی قدرت اور دولت اور حکمت اور طاقت اور عزت اور تمجید اور حمد کے لائق ہے۔" (مکاشفہ ۵: ۹و۱۲)

"ہم اس مسیح مصلوب کی منادی کرتے ہیں جو یہودیوں کے نزدیک ٹھوکر اور غیر قوموں کے نزدیک بے وقوفی ہے لیکن جو بلائے ہوئے ہیں یہودی ہوں یا یونانی ان کے نزدیک مسیح خدا کی قدرت اور خدا کی حکمت ہے۔" (اکرنتھیوں ۱: ۲۴)۔ اور خداوند یسوع مسیح نے خود اس احمدی ذہنیت کو باطل ٹھہرایا :۔ "دنیا میں مصیبت اٹھاتے ہو لیکن خاطر جمع رکھو میں دنیا پر غالب آیا ہوں۔" (یوحنا ۱۶: ۳۳)

ہشتم۔ عذر۔ مسیح کمزور تھے۔ (متی ۲۷: ۴۶)

جواب۔ "ایلی ایلی لما سبقتانی" بائیسویں زبور کی پہلی آیت ہے۔ یہ جملہ اس لئے عبرانی زبان میں لکھا گیا کہ یہ خداوند نے اپنی ملکی بولی کے برخلاف عبرانی میں پکارا۔ اس زبور میں خداوند کی صلیبی موت کی مفصل پیشگوئی مذکور ہے۔ اگر یہ کمزوری پر دال ہے تو مقدس داؤد جس کا یہ زبور ہے اس کی کمزوری کا اظہار ہے۔ جیسے مسلمان نزع کے وقت سورہ یٰسین پڑھتے ہیں۔ اسی طرح یہودی جانکنی کے وقت زبور پڑھتے ہیں۔ اور خداوند یسوع مسیح کا یہ زبور پڑھنا نہ صرف صلیبی موت کی پیشگوئی کی طرف اشارہ تھا۔ بلکہ یہودیوں کے لعن طعن کا جواب بھی تھا (متی ۲۷: ۳۹ و ۴۰ بمقابلہ زبور ۲۲: ۷ و ۸ و ۱۵ و ۱۸) پس خداوند کا یہ زبور پڑھنا اس کی کمزوری کا نشان نہیں ہو سکتا اور چلانا اس کے دکھوں اور دردوں کی شدت پر دال ہے نہ کہ قلبی و روحانی کمزوری پر۔ "روح تو مستعد ہے مگر جسم کمزور ہے۔" (متی ۲۶: ۴۱)۔ اگر جسمانی دلیری اور اذیت کی برداشت کوئی روحانی اور آسمانی خوبی ہے تو ڈاکو اور قاتل یقیناً روحانی طور پر قوی اور مقرب الٰہی ٹھہریں گے۔

نہم۔ عذر۔ یسوع ناصری کو بھی خدا نے زندہ کیا۔

جواب۔ یہ صرف نمبر شمار بڑھانے کی کوشش ہے۔ ورنہ یہ اعتراض

بس جواب پہلے گذر چکا ہے کہ یہ امر اس کی قدرت پر دال ہے نہ کہ کمزوری پر
کلام مقدس کے بیان کے رُو سے موت، طبعی قانون کے مطابق الٰہی زندگی بخش
تاثیر سے محرومی کا نتیجہ ہے اور گناہ کی مزدوری موت ہے (رومیوں ۶: ۲۳)
اس کے برعکس اگر یہ مانا جائے کہ موت کا صدور خدائے حی القیوم سے ہوا تو
علت و معلول میں تناقض لازم آئے گا اور یوں خدائے قدوس سے گناہ کا
صدور بھی ممکن ہو گا۔ پس موت گناہ کا نتیجہ ہے لیکن زندگی خدا تعالیٰ کی طرف
سے اس کے بیٹے کے وسیلہ سے ملتی ہے:۔

"جس طرح باپ مُردوں کو اٹھاتا اور زندہ کرتا ہے اُسی طرح بیٹا
بھی جنہیں چاہتا ہے زندہ کرتا ہے۔" (یوحنا ۵: ۲۱) "وہ وقت آتا ہے کہ
جتنے قبروں میں ہیں اس کی آواز سُن کر نکلیں گے" (یوحنا ۵: ۲۸) "کیونکہ جب
آدمی کے سبب سے موت آئی تو آدمی ہی کے سبب سے مُردوں کی قیامت بھی آئی۔
اور جیسے آدم میں سب مرتے ہیں ویسے ہی مسیح میں سب زندہ کئے جائیں گے"
(۱۔ کرنتھیوں ۱۵: ۲۱ و ۲۲) "خدا نے ہمیشہ کی زندگی بخشی اور یہ زندگی اسکے
بیٹے میں ہے" (۱۔یوحنا ۵: ۱۱) "گناہ کی مزدوری موت ہے مگر خدا کی بخشش
ہمارے خداوند یسوع مسیح میں ہمیشہ کی زندگی ہے" (رومیوں ۶: ۲۳)

دھم۔ مسیح قدوس ہونے سے انکاری ہے۔ (لوقا ۱۸: ۱۹)
جواب۔ یہ حوالہ جو دیگر مخالفین مسیح سے احمدی علماء نے نقل کیا ہے

اس جملہ استفہامیہ سے خداوند یسوع مسیح کے نیک ہونے سے انکار اخذ کرنا "وداک یجل" ہے جو انجیل نویس کی منشاء کے صریح برخلاف ہے۔ نیز خداوند مسیح نے یہ نہیں فرمایا کہ میں نیک نہیں ہوں یا مجھے نیک مت کہو بلکہ پوچھا کہ تُو مجھے کیوں نیک کہتا ہے۔ کوئی نیک نہیں مگر ایک یعنی خدا۔ پس پہلے اگر خداوند یسوع مسیح کی الوہیت کا انکار کریں۔ تب مخالفینِ مسیح کی تاویل اس کے خلاف پیش ہو سکتی ہے۔ پس مخالفینِ مسیح جبکہ اس آیت کو آنخداوند کی الوہیت کے انکار کی دلیل ٹھہراتے ہیں تو یہ مصادرہ علی المطلوب ہے۔ اور احمدی علماء کے لئے غور طلب یہ امر ہے کہ خداوند کے اس کلام سے اس کی عصمت پر تو کوئی دھبہ نہیں آ سکتا۔ لیکن اس سے آپ کا عصمتِ انبیاء کا عقیدہ چکنا چُور ہو جائے گا۔ جب تک کہ ان کی طرف الوہیت منسوب نہ کریں۔ اور عجیب بات یہ ہے کہ جن لوگوں کو خداوند کے اس انشائیہ جملہ میں آنخداوند کے نیک نہ ہونے کی خبر نظر آتی ہے وہی مقدس یوسف کے اس اقرار کے باوجود اس کی عصمت کے قائل ہیں۔ "وما ابرئ نفسی ان النفس لامارۃ بالسوء" (یوسف ع۷ ۵۳) حالانکہ ان کی باطل تاویل کے برخلاف خود آنخداوند کی یہ تحدی موجود ہے:۔ "تم میں کون مجھ پر گناہ ثابت کرتا ہے" (یوحنا ۸: ۴۶) پس آنخداوند کی منشاء کے برخلاف اس کے قول کی تاویل یقیناً تحریف معنوی اور "وداک یجل" ہے۔

(۱۰) آپ کا یہ نمبر بھی کسی معقول اعتراض سے خالی اور بے بنیاد دعاوی پر مشتمل ہے۔ احمدی علماء کے نزدیک دوسروں کے عقائد کی بلا دلیل مذمت ہی سب سے بڑی دلیل ہے۔ اور کسی دلیل کے بغیر آپ کی "پُر زور دعوت" بھی آپ کی بے بسی کی مُنہ بولتی تصویر ہے۔ اور آپ کا یہ بھی افتراء ہے کہ ہم "یونانیوں کے پارینہ نظریاتی افسانوں سے" مسیح کی الوہیت کو ثابت کر کے دکھاتے ہیں۔ یہ صرف جواب نہ بن پڑنے کی صورت میں معقولیت اور سچائی کا مُنہ چڑانا ہے۔ اگر ہم غلط باتیں پیش کرتے ہیں تو آپ کی حکمت اور علمیت کہاں گئی؟ کہ آپ ان غلط باتوں کا ضعف ثابت نہیں کر سکتے۔ ہم نے تو "کلام الہٰی" اور "قانونِ قدرت" اور "عقل انسانی" تینوں سے ابن اللہ کا تجسم ثابت کیا ہے اور اگر اس میں کچھ کمی یا غلطی ہے تو وہ پیش کریں۔ صرف سچائی اور معقولیت کا مُنہ چڑانا تو مناظرہ نہیں کہلاتا۔ اور اگر یونانی حکماء بقول شما ابن اللہ کے تجسم کے قائل ہیں تو اس سے انجیل مقدس کے بیانات کی تصدیق ہو گی نہ کہ تکذیب۔ کیا بُت پرستوں میں پرستش کی طبعی بھوک حقیقی معبود کے وجود پر دلالت کرتی ہے یا حقیقی معبود کا عقیدہ (جیسے کہ ملاحدہ کا دعویٰ ہے) ان کی باطل پرستی کے ارتقاء کا نتیجہ ہے۔ پس آپ یہ تو اقرار کریں کہ براہین عقلیہ سے تو واقعی ابن اللہ کے تجسم کی ضرورت ثابت ہوتی ہے لیکن احمدی ذہنیت کے اعتبار سے عقلی دلائل ہرگز قابلِ قبول نہیں ہو سکتے۔ اور اگر "حضرت مسیح کی زندگی"

قادیانی حکمت کے مطابق "کسی پہلو سے نادر اور غیر معمولی زندگی" ثابت نہیں ہوتی تو اس کے متعلق یہی کہا جا سکتا ہے کہ ؎

گر نہ بیند بروز شپرہ چشم ⁂ چشمۂ آفتاب را چہ گناہ

اگر قادیانی حکمت کے مطابق روحانی "ندرت" ظاہری اور جسمانی حالات سے ہی متعلق ہے (حالانکہ خداوند یسوع مسیح کا فیصلہ اس کے برخلاف ہے لوقا ۱۷: ۲۰ و ۲۱) تو کیا خدا تعالیٰ کی مقدس آدم کی پیدائش سے آج تک بنی آدم کو ندرت بخشنے کی کوششوں کا نتیجہ یہی ہے کہ اربوں بنی آدم میں سے مٹھی بھر احمدی جماعت اس کے حصہ میں آئی ہے؟ اور خداوند یسوع مسیح کی "ندرت" جانچتے وقت احمدی علماء نے اپنے گریبان میں منہ کیوں نہ ڈالا۔ کہ موجودہ زمانہ کی انسانی اقوام کی ظاہری شان و شوکت کے مقابل وہ خود کس کھیت کی مولی ہیں؟ اور کیا یہ پیشگوئی قادیانی مسیح کی امت پر بھی صادق آتی ہے؟ "وجاعل الذین اتبعوك فوق الذین کفروا الی یوم القیامة" (آل عمران $\frac{6}{55}$) اگر جسمانی قدرت و ندرت کے اعتبار سے ہی خداوند یسوع مسیح کی مسیحائی کا اندازہ لگانا چاہو تو اس کا ثبوت یہ ہے کہ ایک حقیر سی جماعت کے روبرو اس نے یہ کہا کہ: "میں اس پتھر پر اپنی کلیسیا بناؤں گا اور عالم ارواح کے دروازے اس پر غالب نہ آئیں گے۔" (متی ۱۶: ۱۸) اور آج مسیحیت کا بدترین مخالف بھی ہمارے خداوند کی

اس "ندرت" اور مسیحائی قدرت کے اس شاہکار کا انکار نہیں کر سکتا۔

الغرض ہمارے نزدیک تو انسانیت کا کمال روحانی غلبہ ہے اور خدا کے طالبوں کو دنیا کی نعمتیں بھی مل جاتی ہیں (متی ۶: ۳۳) لیکن جو لوگ خداوند یسوع مسیح کی ناکامی اور بے بسی کا معیار دنیوی حالات کو ٹھہراتے ہیں ان کی اپنی زبوں حالی اور کس مپرسی تو یقیناً باعثِ عبرت ہے۔

(۱۱) بائبل مقدس کی تاویل کا صحیح گُر اسی سے معلوم ہوتا ہے کہ:۔

"پہلے یہ جان لو کہ کتاب مقدس کی کسی نبوت کی بات کی تاویل کسی کے ذاتی اختیار پر موقوف نہیں۔ کیونکہ نبوت کی کوئی بات آدمی کی خواہش سے کبھی نہیں ہوئی بلکہ آدمی روح القدس کی تحریک کے سبب سے خدا کی طرف سے بولتے تھے"۔ (۲ پطرس ۱: ۲۰ و ۲۱) "مگر نفسانی آدمی خدا کے روح کی باتیں قبول نہیں کرتا۔ کیونکہ وہ اس کے نزدیک بیوقوفی کی باتیں ہیں اور نہ انہیں سمجھ سکتا ہے۔ کیونکہ وہ روحانی طور پر پرکھی جاتی ہیں"۔ (۱ کرنتھیوں ۲: ۱۴)

احمدی علماء نے جو بائبل مقدس سے حوالے پیش کئے ہیں وہ توضیح واضح کے طور پر محض دفع الوقتی اور نمبر شمار بڑھانے کی غرض سے۔ ورنہ ہم نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ صرف خداوند یسوع مسیح کو ہی خدا کا بیٹا کہا گیا ہے بلکہ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ صرف آنخداوند کو ہی "اکلوتا بیٹا" کہا گیا ہے (یوحنا ۱: ۱۴ و ۱۸ + ۳: ۱۶ و ۱۸ + ۱ یوحنا ۴: ۹) اور اکلوتے بیٹے کا لفظ ہی اس امر پر دلالت

صریح ہے کہ اس معنی میں خدا کے کسی اور بیٹے کا امکان ہی نہیں۔ اور یہ امر قادیانی حکمت کی رسائی سے یقیناً باہر ہے کہ جب حقیقی ابن اللہ کو وہ ممتنع الوجود مانتے ہیں تو مجازی ابن اللہ کا امکان کیسے ہو گیا؟ کیا وہ ہمیں مجازی ممتنع الوجود کا مفہوم سمجھا دیں گے؟

(۱۲) اس نمبر میں بھی خداوند یسوع مسیح کی الوہیت کے برخلاف کوئی معقول اعتراض نہیں کیا گیا۔ صرف بے بنیاد دعاوی اور غیر متعلق باتوں سے کاغذ سیاہ کیا گیا اور معقولیت کے فقدان کی پردہ پوشی کی گئی ہے۔ اور یہ دعویٰ بھی بے بنیاد ہے کہ یہودی کسی ایسے مسیح کے قائل نہ تھے جو خدائی دعویدار ہو۔ یہود کے اجماع کی سند جس کتاب میں آپ کو ملی وہ کتاب قیمتاً یا عاریۃً ہمارے پاس بھیج دیں۔ ورنہ یہ بے بسی کے عالم میں دروغ بے فروغ کا سہارا متصور ہو گا۔ ہم آپ کے اس بے باکانہ دعویٰ کے برخلاف کلام مقدس سے ہی سند پیش کرتے ہیں نہ

”قومیں کس لئے طیش میں ہیں اور لوگ باطل خیال باندھتے ہیں خدا اور اس کے مسیح کے برخلاف —— خدا نے مجھ سے کہا تو میرا بیٹا ہے۔ آج تو مجھ سے پیدا ہوا“ (زبور ۲: ۱ و ۲ و ۷ بمقابلہ اعمال ۱۳: ۳۳) اسی کے مطابق:— ”سردار کاہن نے اس سے کہا کہ میں تجھے زندہ خدا کی قسم دیتا ہوں کہ اگر تو خدا کا بیٹا مسیح ہے تو ہم سے کہہ دے“ (متی ۲۶: ۶۳) اور استفرا کا

کا لفظ احمدی علماء محض مرزا صاحب قادیانی کی علمی غلطی کی تقلید کے طور پر بار بار دُہراتے ہیں۔ ورنہ استقرا سے مراد جزئیات کے مشاہدہ سے کلی پر استدلال ہے پس استقرا جو جزئیات کے مشاہدہ اور تصفح سے مستنبط ہوتا ہے اس کو نبوت جیسے فوق النظر امر سے دُور کا واسطہ بھی نہیں جو ہر طرح کے مشاہدہ اور تصفح کی پہنچ سے بلکہ عقل کی حد سے بھی پرے ہے اور جس کا اعتقاد جازم مطابق واقع صرف ایمان بالغیب کے طور پر ہی ممکن ہے۔

(۱۳) یہ دعویٰ بھی کلام مقدس سے ناواقفی یا دیدہ و دانستہ غلط بیانی پر مبنی ہے کہ: "اناجیل سے حضرت مسیح کا اگر کوئی دعویٰ ثابت ہو سکتا ہے تو وہ صرف نبی اور رسول ہے"۔

چنانچہ ہم اناجیل سے خداوند یسوع مسیح کے چند دعاوی بغیر کسی تاویل و تشریح کے پیش کرتے ہیں اور اگر احمدی علماء انہی دعاوی کے مطابق ہی آنخداوند کی شان کو تسلیم کر لیں تو ہم ان سے زیادہ کا مطالبہ نہ کریں گے: "میرے باپ کی طرف سے سب کچھ مجھے سونپا گیا اور کوئی بیٹے کو نہیں جانتا سوا باپ کے۔ اور کوئی باپ کو نہیں جانتا سوا بیٹے کے اور اس کے جس پر بیٹا اسے ظاہر کرنا چاہے"۔ (متی ۱۱: ۲۷ + لوقا ۱۰: ۲۲) "میں تم سے کہتا ہوں یہاں وہ ہے جو ہیکل سے بھی بڑا ہے ——— کیونکہ ابن آدم سبت کا مالک ہے"۔ (متی ۱۲: ۶ تا ۸) "آسمان اور زمین کا کُل اختیار مجھے دیا گیا ہے پس تم جا کر سب قوموں کو

شاگرد بناؤ اور انہیں باپ اور بیٹے اور روح القدس کے نام پر بپتسمہ دو۔
اور دیکھو میں دنیا کے آخر تک ہمیشہ تمہارے ساتھ ہوں۔" (متی ۲۸: ۱۹ و ۲۰)
"پھر یسوع نے ۔ ۔ ۔ کہا کہ فقیہہ کیونکر کہتے ہیں کہ مسیح داؤد کا بیٹا ہے ۔ ۔ ۔
۔ ۔ ۔ داؤد تو آپ اسے خداوند کہتا ہے وہ اس کا بیٹا کہاں سے ٹھہرا۔"
(مرقس ۱۲: ۳۵-۳۷) "دیکھو یہاں وہ ہے جو سلیمان سے بھی بڑا ہے ۔ ۔ ۔ ۔
۔ ۔ ۔ ۔ دیکھو یہاں وہ ہے جو یوناہ سے بھی بڑا ہے۔" (لوقا ۱۱: ۳۱ و ۳۲)
خداوند کے آخرالذکر دعویٰ پر اس حدیث کی روشنی میں غور کریں: "ابو ھریرۃ
لا ینبغی لعبد لی و یُروی لعبدی ان یقول انا خیر من
یونس بن متی" (مشارق الانوار حدیث ۲۱۶۹ء)

"یسوع نے جواب میں ان سے کہا۔ کہ اس مقدس کو ڈھا دو تو میں
اسے تین دن میں کھڑا کردوں گا ــــــ مگر اس نے اپنے بدن کے مقدس کی
بابت کہا تھا۔" (یوحنا ۲: ۱۹ و ۲۱) "آسمان پر کوئی نہیں چڑھا سوا اسکے
جو آسمان سے اترا یعنی ابن آدم جو آسمان میں ہے۔" "کیونکہ خدا نے دنیا
سے ایسی محبت رکھی کہ اس نے اپنا اکلوتا بیٹا بخش دیا تاکہ جو کوئی اس پر ایمان
لائے ہلاک نہ ہو بلکہ ہمیشہ کی زندگی پائے۔" (یوحنا ۳: ۱۳ و ۱۶) "کیونکہ
جس طرح باپ مُردوں کو اٹھاتا اور زندہ کرتا ہے اسی طرح بیٹا بھی جنہیں
چاہتا ہے زندہ کرتا ہے۔ کیونکہ باپ کسی کی عدالت بھی نہیں کرتا بلکہ اس نے

عدالت کا سارا کام بیٹے کے سپرد کیا ہے تاکہ سب لوگ بیٹے کی عزت کریں۔ جس طرح باپ کی عزت کرتے ہیں۔" (یوحنا ۵: ۲۱-۲۳) "اگر تم ابن آدم کو اوپر جاتے دیکھو جہاں وہ پہلے تھا تو کیا ہوگا۔" (یوحنا ۶: ۶۲) "تمہارا باپ ابرہام میرا دن دیکھنے کی امید پر بہت خوش تھا۔ چنانچہ اس نے دیکھا اور خوش ہوا ـــــ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ پیشتر اس سے کہ ابرہام پیدا ہوا میں ہوں" (یوحنا ۸: ۵۶ و ۵۸) "میں اور باپ ایک ہیں۔" (یوحنا ۱۰: ۳۰) "راہ اور حق اور زندگی میں ہوں۔ کوئی میرے وسیلہ کے بغیر باپ کے پاس نہیں آتا۔" (یوحنا ۱۴: ۶) "جس نے مجھے دیکھا اس نے باپ کو دیکھا ـــــ میں باپ میں ہوں اور باپ مجھ میں ہے ـــــ باپ مجھ میں رہ کر اپنے کام کرتا ہے" (یوحنا ۱۴: ۹-۱۱) "میں باپ میں سے نکلا اور دنیا میں آیا ہوں۔" (یوحنا ۱۶: ۲۸)۔ "اب اے باپ تو اس جلال سے جو میں دنیا کی پیدائش سے پیشتر تیرے ساتھ رکھتا تھا مجھے اپنے ساتھ جلالی بنا دے" (یوحنا ۱۷: ۵) "ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں۔" (یوحنا ۱۷: ۳ بمقابلہ ملاکی ۳: ۱ + ۱یوحنا ۵: ۲۰)

اور تقریری احادیث کے معتقدین ان واقعات کا بھی انکار نہیں کر سکتے جو خداوند کے دعاوی کا پایہ رکھتے ہیں:۔ "ایک کوڑھی نے پاس آکر اسے سجدہ کیا۔" (متی ۸: ۲) "جو کشتی پر تھے انہوں نے اسے سجدہ کر کے کہا

تو یقیناً خدا کا بیٹا ہے۔" (متی ۱۴: ۳۳) "مگر اس نے آکر اسے سجدہ کیا۔" (متی ۱۵: ۲۵) "زبدی کے بیٹوں کی ماں نے اپنے بیٹوں کے ساتھ اسکے سامنے آکر سجدہ کیا۔" (متی ۲۰: ۲۰) "انہوں نے اُسے دیکھ کر سجدہ کیا۔" (متی ۲۸: ۱۶) "وہ یسوع کو دُور سے دیکھ کر دوڑا اور اُسے سجدہ کیا۔" (مرقس ۵: ۶) "وہ اس کو سجدہ کر کے بڑی خوشی سے یروشلم کو لوٹ آئے۔" (لوقا ۲۴: ۵۲) "توما نے جواب میں اس سے کہا اے میرے خداوند اور اے میرے خدا!" (یوحنا ۲۰: ۲۸)

احمدی علماء نے مقدس پولوس کا ۱کرنتھیوں ۱۱: ۳ کا حوالہ پیش کیا ہے جو درحقیقت ابن اللہ کے تجسم کے برخلاف نہیں بلکہ اس کا مؤید ہے۔ دیکھو ۲کرنتھیوں ۵: ۱۹ + افسیوں ۱: ۲۲ و ۲۳ + مکاشفہ ۳: ۱۴۔ کیا وہ اسی مقدس پولوس کا یہ کلام بھی قبول کریں گے؟۔

"خدا کی کلیسیا کی گلہ بانی کرو۔ جسے اس نے خاص اپنے خون سے مول لیا۔" (اعمال ۲۰: ۲۸) "مگر تم جسمانی نہیں بلکہ روحانی ہو۔ بشرطیکہ خدا کا روح تم میں بسا ہوا ہے مگر جس میں مسیح کا روح نہیں وہ اس کا نہیں" (رومیوں ۸: ۹) "جسم کے رُو سے مسیح بھی انہیں میں سے ہے جو سب کے اُوپر اور ابدتک خدائے محمود ہے" (رومیوں ۹: ۵) "مطلب یہ ہے کہ خدا نے مسیح میں ہو کر اپنے ساتھ دنیا کا میل ملاپ کر لیا۔" (۲کرنتھیوں ۵: ۱۹) "چنانچہ اس نے اپنی

مرضی کے بھید کو اپنے اس نیک ارادہ کے موافق ہم پر ظاہر کیا جسے اپنے آپ میں ٹھہرا لیا تھا تاکہ زمانوں کے پورے ہونے کا ایسا انتظام ہو کہ مسیح میں سب چیزوں کا مجموعہ ہو جائے خواہ وہ آسمان کی ہوں خواہ زمین کی"۔ (افسیوں ۱: ۹ و ۱۰) "کیونکہ ضرور ہے کہ مسیح کے تختِ عدالت کے سامنے جا کر ہم سب کا حال ظاہر کیا جائے"۔ (۲ کرنتھیوں ۵: ۱۰) "اس نے اگرچہ خدا کی صورت پر تھا خدا کے برابر ہونے کو قبضہ میں رکھنے کی چیز نہ سمجھا بلکہ اپنے آپ کو خالی کر دیا اور خادم کی صورت اختیار کی اور انسانوں کے مشابہ ہو گیا اور انسانی شکل میں ظاہر ہو کر اپنے آپ کو پست کر دیا ـــــ تاکہ یسوع کے نام پر ہر ایک گھٹنا ٹیکے خواہ وہ آسمانیوں کا ہو خواہ زمینیوں کا خواہ اُن کا جو زمین کے نیچے ہیں اور خدا باپ کے جلال کے لئے ہر ایک زبان اقرار کرے کہ یسوع مسیح خداوند ہے"۔ (فلپیوں ۲: ۶-۸ و ۱۰ و ۱۱) "وہ اَن دیکھے خدا کی صورت اور تمام مخلوقات سے پہلے مولود ہے۔ کیونکہ اسی میں سب چیزیں پیدا کی گئیں آسمان کی ہوں یا زمین کی دیکھی ہوں یا اَن دیکھی تخت ہوں یا ریاستیں یا حکومتیں یا اختیارات" سب چیزیں اسی کے وسیلہ سے اور اسی کے واسطے پیدا ہوئیں اور وہ سب چیزوں سے پہلے ہے اور سب چیزیں اسی میں قائم رہتی ہیں"۔ (کلسیوں ۱: ۱۵-۱۷) "اور خدا کے بھید یعنی مسیح کو پہچانیں۔ جس میں حکمت اور معرفت کے سب خزانے پوشیدہ ہیں"۔ (کلسیوں ۲: ۲ و ۳)

"کیونکہ الوہیت کی ساری معموری اسی میں مجسم ہو کر سکونت کرتی ہے۔"
(کلسیوں ۲: ۹)

اور اگر آپ اکرنتھیوں ۱۱: ۳+ اور اتمتھیس ۲: ۵ (جو خود آپ نے پیش کی ہیں) کی سچائی کو مان لیں تو ہم کلام الٰہی کی روشنی میں اور "قانون قدرت" اور "عقل انسانی" سے انہی آیات سے ابن اللہ کا تجسم ثابت کر دکھائیں گے۔

(۱۴) دعویٰ تو آپ نے "آخیر پر اس بارے میں حضرت مسیح کا ایک قطعی اور آخری فیصلہ پیش" کرنے کا کیا ہے۔ لیکن آپ کی دیگر بے بنیاد باتوں کی طرح یہ دعویٰ بھی کھوکھلا سا ہے اور آپ نے خداوند یسوع مسیح کے کلام سے ایک لفظ بھی ایسا پیش نہیں کیا جس میں اس نے اپنی الوہیت کا انکار کیا ہو۔ بلکہ بجائے خداوند یسوع مسیح کے فیصلہ کے انجیل مقدس سے باہر کے غیر متعلق اقتباس پیش کر کے اس نمبر کی شکم پُری کی گئی ہے۔ جو نہ خداوند یسوع مسیح کا فیصلہ ہے اور نہ ان اقتباسات غیر مسلمہ کے لئے ہم جوابدہ ہیں۔

یوحنا ۸: ۴۴ میں یہودیوں کو ابلیس کے فرزند قرار دینے سے خداوند کی ابنیت مجازی نہیں ٹھہر سکتی۔ ہاں! اگر آپ یہ کہنا چاہیں کہ اقنوم اول و اقنوم ثانی کی اضافت کے اظہار کے لئے باپ اور بیٹے کا لفظ مثالی معنی میں استعمال کیا گیا تو ہمیں اس سے انکار نہیں۔ (امید ہے آپ مثال اور مجاز کے مفہوم میں ضرور امتیاز کریں گے) لیکن جبکہ ہم آپ ہی کے مسلمہ

معیار کے مطابق ابن اللہ کا تجسم "کلام الٰہی" اور "قانونِ قدرت" اور "عقلِ انسانی" سے ثابت کر چکے ہیں تو آپ کی پیچ باتیں حقائق پر پردہ نہیں ڈال سکتیں اور رومیوں ۸: ۲۹ کے حوالہ کی تاویل میں بھی آپ "یتاولونه علی غیر تاویله" کا مصداق ٹھہرے ہیں۔ اگر خداوند مسیح کے ہمشکل ہونے سے مراد اس کے ہم پایہ ہونا ہے تو خدا کے ہمشکل مقدس آدم (پیدائش ۱: ۲۷) بھی خدا تعالیٰ کے مساوی ٹھہرے گا۔ اگر مقدس پولوس سے ہی اس کے کلام کی تاویل پوچھیں۔ تو وہ بیٹے کے ہمشکل سے "لے پالک" مراد لیتا ہے (رومیوں ۸: ۱۵+ گلتیوں ۴: ۵) جو اکلوتے بیٹے کے واسطہ سے ابنیت کا درجہ پاتے ہیں:۔ "لیکن جتنوں نے اسے قبول کیا اس نے انہیں خدا کے فرزند بننے کا حق بخشا۔ یعنی انہیں جو اس کے نام پر ایمان لاتے ہیں وہ نہ خون سے نہ جسم کی خواہش سے نہ انسان کے ارادہ سے بلکہ خدا سے پیدا ہوئے۔" (یوحنا ۱: ۱۲ و ۱۳) پس جو خدا کے بیٹے کے واسطہ سے خدا کے فرزند ٹھہرے ان پر تسمیۃ الشئ باسم سبب، الٰہی ابنیت کا اطلاق ہوتا ہے۔ اسی لئے ان کو حقیقی بیٹے کے مقابل لے پالک بیٹے کہا گیا یعنی :۔ "خدا نے اپنے بیٹے کا روح ہمارے دلوں میں بھیجا جو ابا یعنی اے باپ کہہ کر پکارتا ہے" (گلتیوں ۴: ۶) "وہ اپنی اس قوت کی تاثیر کے موافق جس سے سب چیزیں اپنے تابع کر سکتا ہے ہماری پست حالی کے بدن کی شکل بدل کر اپنے جلال کے بدن

کی صورت پر بنائے گا۔" (فلپیوں ۳: ۲۱) پس خدا کے بیٹے کے ہمشکل ہونے کے معنی وہی صحیح ہیں جو خود مقدس پولوس نے بیان کر دیئے نہ وہ کھوٹے سکے جو قادیانی ذہنیت کی ٹکسال میں گھڑے جاتے ہیں۔

(۱۵) احمدی علماء نے یوحنا ۱۰: ۲۲-۳۶ کو مرزا صاحب قادیانی کی کورانہ تقلید میں "نہایت واضح اور ابنیتِ مسیح کے بارے میں ایک فیصلہ کن بیان" قرار دیا ہے جو کہ ان کی غلط فہمی یا غلط تاویل پر مبنی "ڈھاک کے تین پات" ہے۔ ورنہ خداوند یسوع مسیح کے کلام سے وہ ایک لفظ بھی پیش نہیں کر سکتے جس سے اس کی الوہیت کا انکار مستنبط ہو سکے۔ہاں! خدا اور اس کا مسیح کسی احمدی ذہنیت کے پابند نہیں کہ جو الفاظ وہ چاہیں وہی کہے جائیں۔کیا خدا تعالیٰ نے ملحدین کے چیلنج قبول کر کے انہی کے مطالبات کے مطابق کبھی اپنی الوہیت کا ثبوت پیش کیا ہے؟ حقیقت یہ ہے کہ خداوند یسوع مسیح اپنے مخالفوں کو سچی حکمت کے مطابق جواب دیتا تھا نہ کہ قادیانی ذہنیت کے مطابق۔چنانچہ وہ مخالفوں کے قول کو تسلیم کر کے انہی کے بیان سے اُن کی غلط فہمی یا شرارت کا پول کھول دیتا تھا۔چنانچہ:۔یسوع نے ان کی شرارت جان کر کہا اے ریاکارو! مجھے کیوں آزماتے ہو —— یہ صورت اور نام کس کا ہے انہوں نے اس سے کہا قیصر کا۔اس بیان سے کہا پس جو قیصر کا ہے قیصر کو اور جو خدا کا

ہے خدا کو ادا کرو۔" (متی ۲۲: ۱۸-۲۲) اور اشرفیوں کی تمثیل میں فرمایا کہ ،"اے شریر نوکر! میں تجھ کو تیرے ہی منہ سے ملزم ٹھہراتا ہوں۔ تو مجھے جانتا تھا کہ سخت آدمی ہوں۔ اور جو میں نے نہیں رکھا اسے اٹھا لیتا ہوں اور جو نہیں بویا اسے کاٹتا ہوں۔" (لوقا ۱۹: ۱۲) کیا احمدی منطق کے مطابق اس میں منصف خداوند نے اپنے بے انصاف ہونے کا اقرار کیا ہے؟

پس پیشِ نظر حوالہ میں بھی خداوند نے یہودیوں کی شرارت اور ریاکاری کے جھوٹے عذر کو غلط ٹھہرایا کہ "کفر کے سبب سے تجھے سنگسار کرتے ہیں"۔ پس خداوند نے بجائے فضول تکرار کے انہی کے قول کو قبول کر کے کلامِ مقدس (ان کے مسلّمات) سے اُن کو لاجواب کر دیا۔ قرآن شریف سے اس کی مثال یہ ہے :" قالوا ان انتم الا بشر مثلنا ــــــ قالت لھم رسلھم ان نحن الا بشر مثلکم ولکن اللہ یمن علیٰ من یشاء من عبادہ" (ابراہیم پ ۱۳ ۱۰-۱۱) پس یہ طریق جواب اسرائیلی انبیاء کا ہے جو قادیانی حکماء کی سمجھ کے بس کا نہیں۔ اصطلاح میں اس کو "مجارات مع الخصم" کہتے ہیں۔ اور یہ آپ کی صریح "ضد اور ہٹ دھرمی" ہے کہ محض افترا پردازی کے طور پر اپنی غیر معقولیت کی خفت کو چھپانے کے لئے کسی برہان کے بغیر بدکلامی پر

اُتر آسکتے ہیں۔" پادریوں اور قسادسہ کی ضد" نے "حضرت مسیح کو مدعی الوہیت" ہرگز نہیں قرار دیا۔ نہ " ثنویت سے تثلیث تک نوبت پہنچادی ہے۔ ہم نے سب کچھ کلام مقدس سے پیش کیا ہے جو کسی پادری اور قسیس کی بناوٹ نہیں۔ آپ اہلِ اسلام سے طعن وتشنیع اور کفر وعذاب کے فتوے سُنتے رہتے ہیں چونکہ اُن کے مقابلہ میں بےبس ہیں اس لئے باتیں مسیحیوں کے برخلاف اُگل کر اپنے دل کا بخار نکالنا چاہتے ہیں۔ وہ کوئی ہمارے برخلاف اعتراضات نہیں کہ ہم ان کا جواب دیں۔ پس ہم صرف آپ کو تنبیہ کے لئے کلام مقدس کی یہ عبارت پیش کرتے پر ہی اکتفا کرتے ہیں :-

" اگر ہماری خوشخبری پر پردہ پڑا ہے تو ہلاک ہونے والوں ہی کے واسطے پڑا ہے یعنی اُن ..... کے واسطے جن کی عقلوں کو اس جہان کے خدا نے اندھا کردیا ہے تاکہ مسیح جو خدا کی صورت ہے اس کے جلال کی روشنی اُن پر نہ پڑے۔" (۲ کرنتھیوں ۴: ۳ و ۴)

منگل وار ۱۲ جون ۱۹۳۲ء - ڈون ویو۔ لنڈور ۔ مسوری۔

آپ کا رجسٹرڈ پرچہ ۶ جون بروز بدھ کی سہ پہر کو ملا۔ میں یہ پرچہ عجلت میں مسوری سے بھیج رہا ہوں لیکن آپ چونڈی گڑھ کے پتہ پر ہی پرچہ بھیجیں۔

خادم عبدالحق

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ؁ نَحۡمَدُہٗ وَنُصَلِّیۡ عَلٰی رَسُوۡلِہِ الۡکَرِیۡمِ

اَعُوۡذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیۡطٰنِ الرَّجِیۡمِ

الوہیّتِ مسیحؑ کی تردید میں ہمارا دوسرا جوابی پرچہ

ماقلتُ لھم الّا ما امرتنی بہٖ ان اعبدوا اللہ ربّی وربّکم وکنت علیھم شھیدًا مادمتُ فیھم فلمّا توفّیتنی کنتَ انت الرقیب علیھم وانت علیٰ کلّ شیءٍ شھید۔ (المائدہ ۱۱۷)

"تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر"

(متی ۴/۱)

"مَیں اپنے باپ اور تمہارے باپ کے اور اپنے خدا اور تمہارے خدا کے پاس اُوپر جاتا ہوں" (یوحنا ۲۰/۱۷)

۵ ہر دم از کاخِ عالم آوازے است ؁ کہ یکیش بانی و بناساز یست

نہ کس اورا شریک و انباز یست ؁ نے بکارش دخیل و ہمراز یست

ایں جہاں را عمارت انداز یست ؁ وازجہاں برتر ست و ممتاز یست

وحدہ لاشریک حیّ و قدیر ؁ لم یزل لایزال فرد و بصیر

کارسازِ جہاں پاک و قدیم ÷ خالق و رازق و کریم و رحیم
رہنما و معلّمِ رہِ دیں ÷ ہادی و ملہمِ علوم یقیں
متصف باہمہ صفاتِ کمال ÷ برتر از احتیاجِ اہل و عیال

(براہین احمدیہ)

پہلا حصّہ

امورِ متفرقہ

(۱) آغازِ مناظرہ کی تقریب ہم نے جناب پادری عبدالحق صاحب کو اپنے رسالہ "مباحثہ مصر" مطبوعہ اکتوبر ۱۹۶۱ء میں اس کے مہذب و مدلل جواب کی دعوت دی تھی۔ نیز لکھا تھا کہ:-

"اگر آپ علیحدہ طور پر الوہیت مسیح یا حضرت مسیحؑ کی صلیبی موت پر نیا مستقل تحریری مناظرہ کرنا پسند کریں تو ہماری طرف سے اس بارے میں کھلی دعوت ہے۔"

اس پر خط و کتابت اور کافی لے دے کے بعد جس کی لمبی داستان ہے۔ جناب پادری عبدالحق صاحب کو اللہ تعالیٰ نے سمجھ دی اور وہ اس بات کے لئے تیار ہو گئے کہ الوہیتِ مسیحؑ پر تحریری مناظرہ کریں چنانچہ اچانک

۲۱ مئی ۶۲ء کو چنڈی گڑھ سے پادری صاحب کا اس موضوع پہ پہلا پرچہ آگیا جو میرے لئے ہر پہلو سے باعثِ مسرت تھا۔ مَیں نے اسے بالکل سرسری دیکھا تو اس میں ابتدائی تین صفحات سراسر غیر ضروری، اور غلط امور پر مشتمل، خارج از موضوع باتوں سے لبریز تھے۔ مَیں نے دوسرے روز نہایت ادب سے پادری صاحب کی خدمت میں چٹھی لکھی اور خوشی کا اظہار کیا۔ نیز ان سے درخواست کی کہ جب آپ الوہیت مسیح پہ تحریری مناظرہ کے لئے تیار ہو گئے ہیں تو ان غیر متعلقہ اور غلط امور کو شروع میں درج کرنے کا کیا فائدہ ہے انہیں آپ اپنے قلم سے کاٹ کر اصل پرچہ کو پرچہ نمبر ۱ کے طور پہ مجھے بواپسی بھجوا دیں تا مَیں مدتِ مقررہ (دو ہفتے) میں اس کا جواب بھجوا دوں۔ مَیں نے باقی ساتھ مجوزہ مضامین پر بھی اسی نہج پر مناظرہ کی دعوت کو منظور کرتے ہوئے ایک "مسودہ مناظرات" جناب پادری صاحب کے دستخطوں کے لئے اسی رجسٹرڈ چٹھی میں بھجوا دیا۔ میری اس چٹھی پر جناب پادری صاحب بہت ناراض ہوئے۔ اصل پرچہ جو مَیں نے واپس بھیجا تھا اور جذبۂ خیر سگالی سے مناظرہ کے بہتر آغاز کی خاطر درخواست کی تھی کہ آپ اس کے پہلے تین خارج از موضوع طنزیہ امور والے صفحات کو حذف کر دیں پادری صاحب نے وہ پرچہ اپنے گھر میں رکھ لیا اور مجھے لکھ بھیجا کہ:۔

"اگر آپ نے ۴ رجون تک اُس کا جواب رجسٹرڈ نہ بھیجا تو ہم اس پر آپ کی جماعت کو شکست خوردہ تصور کر کے آئندہ لکھنا

بند کر دیں گے۔"

یہ خط ملتے ہی ۲۹/۵/۶۲ کو میں نے فوراً تار دی کہ میرے نام کا پرچہ فوراً واپس بھیجیں۔ اور دوسرے دن رجسٹرڈ چٹھی بھیجی کہ:۔

"میں نے آپ کی چٹھی کی نقل نہیں رکھی۔ نہ اس کی ضرورت تھی کیونکہ بہر حال وہ تو آپ نے مجھے واپس کرنی تھی۔ یوں بھی ہم تو صاف دلی سے اور قرآنی حکم قولوا قولاً سدیداً کے مطابق معاملہ کر رہے ہیں۔ پس آپ وہ چٹھی بھی واپس ارسال کر دیں۔ آپ کے پاس تو پہلے سے اس کی نقل موجود تھی پھر اس چٹھی کو خواہ مخواہ روکنے کی ضرورت کیا تھی یہ چٹھی تو میرے نام تھی اگر آپ معقول اور مناسب تبدیلی پر کسی وجہ سے رضامند نہ تھے تب بھی اصل چٹھی کو روکنے کا آپ کو کوئی حق نہ تھا لہذا وہ جلد واپس ارسال فرما دیں۔"

پادری عبد الحق صاحب کی مندرجہ بالا "دھمکی" کے ماتحت ۴ر جون تک پہلا جوابی پرچہ بھیجنا بھی ضروری تھا ورنہ ان کے مستقل روٹھ جانے کا خطرہ تھا۔ مگر پادری صاحب اپنا پرچہ گھر میں دبائے بیٹھے تھے۔ ان مشکلات کے باوجود ہم نے تردید الوہیت مسیح پر اصولی اور بنیادی رنگ میں پہلا جوابی پرچہ ۴ر جون کو رجسٹری کرا دیا اور اسی دن پادری صاحب کی طرف سے ان کا پہلا پرچہ اپنی

سابقہ ہیئت کذائی میں ہمیں واپس ملا۔

(۲) پادری صاحب کا شکریہ - ان حالات میں الوہیت مسیح پر مناظرہ کا آغاز ہوا ہے تاہم میں جناب پادری عبدالحق صاحب کا شکرگزار ہوں کہ اُن کے اِن پرچوں کے ذریعہ وہ تمام باتیں اور تمام حوالے (متعلقہ و غیر متعلقہ) یکجائی طور پر ہمارے سامنے آجائیں گے جو آج تک پادری صاحبان اپنی کتابوں میں لکھ چکے ہیں یا پادری عبدالحق صاحب اپنی کاپیوں میں اکٹھے کئے ہوئے ہیں۔ اسلئے میں جذبہ شکرگزاری سے پادری صاحب کے پرچوں کو "خوش آمدید" کہتا ہوں۔ اور خدا ترسی سے کام لیکر دعاؤں پر زور دیتے ہوئے ان کے بیانات پر تبصرہ کرتا ہوں، جواب عرض کرتا ہوں، اعتراضات کی تردید کرتا ہوں اور اپنے سوالات پیش کرتا ہوں۔ مقصد صرف یہ ہے کہ احقاقِ حق اور ابطالِ باطل ہو۔ اے اللہ! تو ہمیں ہر لغزش سے بچا اور ہمارے بھائیوں کے دلوں کو بھی کھول کہ وہ تیری توحید کو پہچانیں اور صداقت کو قبول کر سکیں۔
اللّٰھم آمین یا ربّ العالمین۔

(۳) اس وقت تک پادری عبدالحق صاحب کے دو پرچے ہمارے سامنے آئے۔ یہ پرچے طبع ہونے پر معزز قارئین خود بھی اندازہ لگا سکیں گے کہ جناب پادری صاحب کو اپنی "ہمہ دانی" کا بڑا دعویٰ ہے اور وہ اپنے مخاطب کو نہایت تحقیر سے خطاب کرنے کے عادی ہیں وہ یہ تصوّر کرنے کے لئے ہرگز

آمادہ نہیں کہ ان کے لکھے ہوئے "بیانات" پر کوئی احمدی عالم بالخصوص خاکسار ابو العطاء ایسا ہیچمدان کچھ عرض کرنے کے قابل ہے۔ وہ اسی خیال کا اظہار کرکے خوش ہو رہے ہیں کہ ان کے پرچوں کا جواب لکھنے کے لیے سب احمدی علماء اکٹھے ہوتے ہیں اور خدا معلوم کتنی زحمت سے جناب پادری صاحب کے "دلائل وبراہین" کا جواب لکھنے کی کوشش کرتے ہیں۔ میں پادری صاحب کو اطلاع دیتا ہوں کہ میں ہرگز مدعی علم نہیں ہوں اور مجھے اپنے بزرگوں، بھائیوں بلکہ اپنے شاگردوں سے سیکھنے اور مدد لینے میں بھی عار نہیں اور اس امداد کے بیان کرنے میں بھی کوئی حجاب نہیں۔ موقعہ پیدا ہوا تو میں خود اپنے آخری پرچہ میں ایسے تمام محسنوں کا ذکرِ خیر ضرور کروں گا انشاء اللہ۔ باقی پادری صاحب کو اپنے پادری بھائیوں کے سامنے اس خوشی کے اظہار سے میں روکنا نہیں چاہتا وہ ہر طرح آزاد ہیں ہاں ایک اعترافِ عجز اس جگہ ضروری ہے کیونکہ میں پادری صاحب کی درشت کلامی اور ان کے شاندار "دعاوی" کا جواب اسی انداز میں دینا پسند نہیں کرتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے وجادلھم بالّتی ھی احسن۔ نیز ایک تازہ رؤیا میں اس مناظرہ کو بابرکت اور مفید بنانے کے لئے نرمی اور رفق پر جمے رہنے کا ارشاد ہوا ہے اسلئے اس "میدان" میں پادری صاحب بلامقابلہ اپنی فتح کے نعرے لگا سکتے ہیں ہم کوئی مزاحمت نہ کریں گے۔ ہاں اگر پادری صاحب برا نہ مانیں تو ادب سے اتنی عرض ہے کہ وہ اپنے علمی پرچہ جات میں

(۱) "بکلّی علی الرغم" (۲) "تسمیۃ الشئ باسم مظروف" (۳) "تسمیۃ الشئ باسم سبب" (۴) "خدائے حیّ القیوم" (۵) "بے اصولانہ پرچہ" ایسی فصیح وبلیغ تراکیب درج کرنے کے بارے میں کسی عالم سے دریافت فرما لیا کریں تو اچھا رہے گا۔

(۴) جناب پادری صاحب! تحریری بیان اور زبانی بات میں بڑا فرق یہ ہے کہ اوّل الذکر صورت میں غلط بیانی کا فوری ازالہ ہو سکتا ہے اور دوسری صورت میں تردید کرنا دشوار ہو جاتا ہے۔ باتیں تو دونوں غلط ہیں یعنی یہ بھی کہ مجھے اپنے اصل نام اللہ دتا سے چڑ ہے۔ مَیں تو اسے نہایت مبارک، صحیح اور پسندیدہ نام سمجھتا ہوں۔ ہاں آپ نے جب میری کنیت ابو العطاء کے بارے میں یہ اشارہ فرمایا تھا کہ آپ کو پتہ نہیں کہ میرے بیٹے کا نام عطاء ہے اور یہ کنیت جو خود ایک نام ہے واقعی درست ہے تو مَیں نے بتایا تھا کہ اللہ تعالیٰ کے فضل سے میرے چار بیٹے عطاء الرحمٰن طاہر، عطاء الکریم شاہد، عطاء الرحیم حامد اور عطاء المجیب راشد ہیں اور اسی بناء پر مجھے ابو العطاء کہا جاتا ہے جو عرب ممالک میں جانے کے باعث زیادہ رواج پا گیا۔ تب آپ نے فرمایا کہ پھر آپ بھی ابو العطاء لکھا کریں گے۔ پس چڑ کی بات تو غلط ہے مگر زبانی گفتگو ہونے کے باعث آپ کی تردید ذرا مشکل ہے۔ مگر دوسری غلط بیانی تو تحریراً باطل ثابت ہے کہ ۱۱ اپریل کی گفتگو ہماری کسی ضد یا تحکّم کے باعث ناکام ہوئی تھی۔ تحریر موجود ہے کہ

باوجودیکہ ہم نے لکھ دیا تھا کہ آپ تثلیث اور الوہیتِ مسیح میں سے جسے مقدم کرنا چاہیں کرسکتے ہیں اور یہی آپ کا مطالبہ تھا مگر آپ بغیر کسی وجہ اور دلیل کے تحریراً اصرار کرتے رہے کہ تین غیر احمدی علماء کو ثالث مقرر کیا جائے۔ جب آخر میں نے بذریعہ تحریر دریافت کیا کہ آخر یہ "علماء" کس بات کی ثالثی کریں گے۔ وہ بھی لکھ دیں اور ان کے نام بھی لکھ دیں تو اس پر آپ کی لاچاری کی آخری تحریر یہ تھی کہ :-

"مولوی ابوالعطاء صاحب! آپ ہی تین غیر جانبدار علماء کا جو لاہور میں موجود ہیں نام لکھ دیں۔ اگر مجھے کسی پر اعتراض ہوگا تو میں وجہ بمعیت عرض کردوں گا ورنہ قبول کرلوں گا۔ خادم عبدالحق ۱۱ راپریل ۱۹۶۲ء"

جس پر خاکسار نے لکھا کہ :-

"آپ پہلے وہ بات تو بتائے جس کے لئے غیر جانبدار علماء کی ثالثی کی ضرورت بھی ہے مزید تعجب یہ ہے کہ تجویز خود پیش کریں اور نام مجھ سے لکھوائیں!"

پادری صاحب! آپ ہی انصاف فرمائیں کہ ان تحریرات کی موجودگی میں آپ کے پرچے کا دیباچہ ذرہ بھر بھی صداقت پر مشتمل ہے؟

(۵) پادری صاحب! یہ مناظرہ شروع کرتے وقت "تحریروں سے مستنبط

ہونے والے آٹھوں مضامین "پر" تقریری و تحریری مناظرہ" کے لئے "مساوی حیثیت میں" قادیان میں آکر مناظرہ کرنے کا "آخری چیلنج" دینا آپ کے لئے موزوں نہ تھا۔ ہمیں تو یہ صورت بھی منظور ہوگی۔ صرف وینا کا سوال ہوتا ہے۔ آپ نے تین ماہ کی مدت میں جواب مانگا ہے مطمئن رہیں جواب باصواب دیا جائے گا۔ انشاء اللہ۔

(۶) آپ نے اپنی کتاب "اثبات التثلیث فی التوحید" کا دل کی تسلی کے لئے نام لکھ دیا ورنہ استاذی المحترم علامہ حضرت میر محمد اسحٰق صاحب کے جواب کے بعد تو لکیر پیٹنے والی بات ہے۔ اوّل تو آپ اب تثلیث کے عنوان پر ہونے والے مناظرہ میں اس ترکش کے سب تیر بھر چلا دیکھیں۔ دوم اگر نام سے ہی غرض ہے تو رسالہ مطبوعہ بھجوا دیں اگر اس میں کوئی مزید قابل جواب بات ہوگی تو ضرور جواب دیدیا جائے گا۔ ہم نے پنجاب ریلجس بک سوسائٹی لاہور سے دریافت کیا تھا ان کے ہاں آپ کا رسالہ نہیں ہے۔

(۷) کاربن پیپر سے پرچہ اس لئے لکھا تھا کہ "نقل مطابق اصل" میں شبہ نہ ہو نیز پرچہ نقل کرتے میں بھی دوسرے سے امداد لینا آپ کو ناگوار نہ ہو اور وقت بھی بچ جائے مگر آپ اب یہ "حکم" دے رہے ہیں کہ پنسل کی لکھی ہوئی تحریر قابلِ التفات نہ ہوگی۔ لیجئے اب قلم سے نقل کرا کر پرچہ ارسالِ خدمت ہے۔

(۸) تعجب ہے کہ "لوہے کے چنے" بنانے والے بزرگ "منکر ہونے کے

باوجود مدعی "بننے والے کی "چال" کو بروقت نہ بھانپ سکے ۔ اگر بروقت سمجھ گئے تھے تو یہ چہ روکنے کی چال کیوں چلی اور اگر اس وقت اس مزعومہ چال کا پتہ نہیں لگ سکا تو اب تو یہ "مشتے کہ بعد از جنگ یاد آید" کی مصداق ہے ۔

جناب عالی! سائل کو منع، نقض اور معارضہ ہر سہ کا اختیار ہوتا ہے ۔ معارضہ کرنے والے سائل کو مدعی بتلانا فنِ مناظرہ سے ناواقفیت کی دلیل ہوگی ۔ اور پھر اس جگہ متکلمین کی اصطلاح "الغصب" کا ذکر تو سراسر بے موقع ہے یوں شائد آپ نے پڑھا نہیں ۔ لکھا ہے الغصب عند الضرورۃ جائز ۔ معاف فرمائیے یہاں یہ نہ مدعی بننے کا سوال تھا اور نہ ہی غصب کی صورت تھی البتہ یہ چہ گھر میں روک کر ہم رجوع کو جواب کے مطالبہ کی آپ کی غیر مشروع سکیم کو بفضلہٖ تعالےٰ معارضہ سے ناکام بنا دیا گیا تھا ۔ وللہ الحمد رب العالمین ؛

دوسرا حصّہ

تردیدِ الوہیتِ مسیح

(لفظ ابن اللہ اور اکلوتا بیٹا کی حقیقت)

(ا) پادری عبدالحق صاحب اپنے مناظرہ کے "غیر معقول" اور "غیر صحیح" ہونے کا اعتراف کرتے ہوئے تحریر فرماتے ہیں :-

"ہمارے اور آپ کے درمیان الوہیت کا حقیقی مفہوم ہی متعین و متفق علیہ نہیں تو الوہیت مسیح پر صحیح و معقول مناظرہ کا امکان کیسے پیدا ہو سکتا ہے؟"

گذارش ہے کہ جب ہمارے اور آپ کے درمیان متنازعہ فیہ مضمون "الوہیت مسیح" ہے اور آپ اس میں مدعی ہیں تو آپ کا فرض تھا کہ اِدھر اُدھر کی باتوں کے بجائے سب سے پہلے الوہیت کا مفہوم متعین کرتے اور پھر آگے چلتے۔ اصولِ مناظرہ میں مسلم ہے کہ بحث کی ترتیب طبعی یہ ہوتی ہے کہ پہلے "تعیین المدعی اذا کان فیہ خفاء" پر عمل کیا جائے مگر آپ دوسرے پرچہ میں خود اعتراف فرماتے ہیں کہ باوجودیکہ فریقین میں زیر تنازعہ عنوان "الوہیت مسیح" کی جزو اول ہی متعین و متفق علیہ نہیں مگر آپ نے مدعی ہونے کے باوجود تعیین مدعیٰ نہیں فرمائی۔ حالانکہ آپ کا یہ اوّلین فرض تھا۔ کیا کوئی با اصول مناظر یہ طریق اختیار کیا کرتا ہے؟ مَیں اب بھی انصاف کے نام پر آپ سے درخواست کرتا ہوں کہ بحث کی ترتیب طبعی کو اختیار کرتے ہوئے پھر الرجوع الی الحق خیر من التمادی فی الباطل کے مطابق پہلے الوہیت مسیح کا مفہوم متعین فرمائیں۔

(۲) جناب پادری صاحب! آپ کسی وجہ سے دوسرے پرچہ کے شروع میں عنوان زیر بحث درج نہیں کر سکے مگر پہلے پرچہ کے ابتداء میں آپ نے "ابن اللہ کا تجسم" کا عنوان قائم فرمایا ہے۔ آپ نے اس جگہ بھی اصولِ مناظرہ کے

مطابق نہ تجسم کی تعیین کی ہے اور نہ ہی ابن اللہ کے مفہوم کو متعین کیا ہے۔ کیا اہل علم پادری صاحبان کا یہی طریقہ ہے کہ تعیین مدعی کے بغیر ہی "خالق کائنات کو اگر" کے فقرہ سے مناظرہ شروع فرما دیتے ہیں؟

جناب عالی! یہ تو آپ کے فنِ مناظرہ کے ماہر ہونے کا حال ہے مگر میں تو کہتا ہوں کہ آپ اپنے مضمون کو ثابت کرنے کی بجائے واضح الفاظ میں اپنی ناکامی کا اعتراف فرما رہے ہیں اور اگر آپ ناراض نہ ہوں تو یہ کہنے میں ذرہ بھر مبالغہ نہیں کہ آپ چاروں شانے چت گر گئے ہیں۔ لیجئے تفصیل ملاحظہ فرمائیے۔ آپ کھڑے تو اسلئے ہوئے تھے کہ "ابن اللہ کے تجسم" کو "الوہیت مسیح" کا مترادف ثابت کریں اور مسیح کو ابن اللہ قرار دے کر اسے خدا ثابت کریں۔ مگر ہم نے جو بائیبل مقدس سے بیس واضح حوالے آپ کے سامنے رکھے کہ اسرائیل خدا کا پلوٹھا ہے، سب مومن اس کے بیٹے ہیں، سب صلحاء خدا کے فرزند ہیں، تمام انبیاء الٰہۃ اور خدا ہیں وغیرہ وغیرہ، تو جناب پادری صاحب آپ نے صاف لکھ دیا کہ:-

"احمدی علماء نے جو بائیبل مقدس سے حوالے پیش کئے ہیں وہ توضیح واضح کے طور پر محض دفع الوقتی اور نمبر شمار بڑھانے کی غرض سے ہیں ورنہ ہم نے کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ صرف خداوند یسوع مسیح کو ہی خدا کا بیٹا کہا گیا ہے۔ بلکہ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ صرف آں خداوند کو ہی اکلوتا بیٹا کہا گیا ہے۔ یوحنا ۱/۱۴، ۱۸

۳/۱۶-۱۸، یوحنا ۱/۹ - اور اکلوتے بیٹے کا لفظ ہی اِس امر پر دلالت صریح ہے کہ اِس معنی میں خدا کے کسی اور بیٹے کا امکان ہی نہیں۔"

گویا ابن اللہ کا لفظ یسوع مسیح سے مخصوص نہیں اور بھی بہت سے لوگ از روئے بائیبل ایسے ہیں جن پر ابن اللہ کا لفظ بولا گیا ہے بالفاظِ دیگر پادری صاحب کے نزدیک ابن اللہ کا اطلاق دلیلِ الوہیت نہیں ورنہ وہ سب لوگ الٰہ تسلیم کرنے پڑیں گے جن کو بائیبل میں ابن اللہ کہا گیا ہے۔

جناب عالی! جب ابن اللہ کا اطلاق الوہیت کی دلیل نہیں تو ابن اللہ کا تجسّم (اگر ثابت بھی ہو جائے تو) الوہیتِ مسیح کی دلیل کیونکر بن سکتا ہے ابن اللہ ہونا خدا ہونے کے مترادف نہیں، ابنیت دلیلِ الوہیت نہیں، تو تجسّم ہونے یا نہ ہونے کا کیا سوال ہے۔ صاف ظاہر ہے کہ پادری عبدالحق صاحب "ابن اللہ کا تجسّم" عنوان مان کر خود بخود الوہیتِ مسیح کے اثبات میں ناکام ثابت ہو گئے ہیں۔ اگر ان کے زعم میں ابن اللہ کا لفظ الوہیتِ مسیح کو ثابت نہیں کرتا تھا بلکہ یہ مدعیٰ "اکلوتا بیٹا" کے لفظ سے ہی ثابت ہو سکتا تھا تو انہیں عنوان "اللہ کے اکلوتے بیٹے کا تجسّم" مقرر کرنا چاہیئے تھا۔ کیا یہ پادری صاحب کی فاش غلطی نہیں؟

"اکلوتے بیٹے" کے لفظ سے کس بات پر صریح دلالت ہوتی ہے اس پر غور کرنے سے پہلے مجھے کھلے لفظوں میں کہنے دیجیے کہ جناب پادری عبدالحق صاحب نے بزرگ پادری ٹھاکر داس صاحب کی یہ بات تو تسلیم کر لی ہے کہ :-

"لفظ بیٹا الوہیت کو ادا کرنے کے لئے نہیں ہے۔" (رسالہ عمانوئیل صا۱)

مگر ابھی تک وہ بزرگ پادری صاحب موصوف سے اس بارے میں متفق نہیں ہیں کہ:-

"کسی صورت میں اکلوتے بیٹے کے یہ معنے نہیں معلوم ہوتے کہ ازل سے تولد ہوا ہے۔" (" صا۲)

یقین ہے کہ اگر پادری عبد الحق صاحب نے ہماری تحقیق کو غور سے پڑھا تو وہ ایک دن یہ بات بھی مان جائیں گے کہ لفظ "اکلوتا بیٹا" بھی الوہیت اور ازلیت پر دلیل نہیں۔

آئیے اب ہم لفظ "اکلوتا بیٹا" کی تحقیق کریں کیونکہ پادری صاحب کا سارا دار و مدار اسی لفظ پر ہے۔ پادری صاحب کے پیش کردہ پانچ حوالہ جات میں یہ لفظ اس طرح وارد ہوا ہے:-

(الف) ہم نے اس کا ایسا جلال دیکھا جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال۔ (یوحنا $\frac{1}{14}$)

(ب) اکلوتا بیٹا جو باپ کی گود میں ہے۔ (یوحنا $\frac{1}{18}$)

(ج) اس نے اپنا اکلوتا بیٹا بخش دیا۔ (یوحنا $\frac{3}{16}$)

(د) خدا کے اکلوتے بیٹے کے نام پر ایمان نہیں لایا۔ (یوحنا $\frac{3}{18}$)

(ذ) خدا نے اپنے اکلوتے بیٹے کو دنیا میں بھیجا ہے۔ (۱۔ یوحنا $\frac{4}{9}$)

معزز ناظرین! اس لفظ 'اکلوتا بیٹا' کی تحقیق کے لئے مندرجہ ذیل امور خاص طور

پر قابلِ توجہ ہیں :۔

(امر اوّل) یہ لفظ چاروں انجیلوں میں سے صرف انجیل یوحنا میں چار دفعہ اور مقدس یوحنا کے خط میں ایک دفعہ آیا ہے۔ غور فرمائیں کہ آخر اس کی کیا وجہ ہے کہ یسوع کی الوہیت کا انحصار لفظ "اکلوتا بیٹا" پر ہو۔ مگر متیؔ، مرقسؔ اور لوقاؔ اپنی اناجیل میں اِس لفظ تک کو ذکر نہ کریں۔ کیا یہ سمجھ جائے کہ چاروں انجیل نویسوں میں سے صرف یوحنا ہی یسوع کی الوہیت کا اقراری تھا باقی اس کے منکر تھے؟ ہم جب انجیل یوحنا کی مجموعی عبارتوں پر غور کرتے ہیں تو انجیل نویس کا Theme تو یہی نظر آتا ہے کہ یسوع مسیح کو صرف رسول اور نبی کی حیثیت میں پیش کرے اور اللہ تعالیٰ کی توحید حقیقی کا اعلان کرے جیسا کہ اس نے یسوع مسیح کا قول لکھا ہے کہ :۔

"ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد اور برحق کو، اور یسوع مسیح کو جسے تو نے بھیجا ہے جانیں۔" (یوحنا $\frac{17}{3}$)

اور بھی بہت سے حوالے ہیں۔ اندریں صورت اگر یہ سوال ہو کہ پھر جناب یوحنا نے اکیلے "اکلوتا بیٹا" کا لفظ کیوں استعمال کیا تو ہمارا محققانہ جواب یہ ہے کہ مقدس یوحنا کی طبیعت میں "جدّت پسندی" اور کچھ مبالغہ کی طرف رجحان تھا۔ جس کا واضح ثبوت ان کی انجیل کی آخری آیت کے یہ الفاظ ہیں :۔

"اور بھی بہت سے کام ہیں جو یسوع نے کئے۔ اگر وہ جُدا جُدا لکھے

جاتے تو مَیں سمجھتا ہوں کہ جو کتابیں لکھی جاتیں ان کے لئے دنیا میں
گنجائش نہ ہوتی"۔ (یوحنا ۲۱/۲۵)

ہمارا یقین ہے کہ جناب یوحنا نے محض جدّت پسندی کے جذبہ کے ماتحت دوسرے انجیل نویسوں سے ہٹ کر محض بیٹا کی بجائے "اکلوتا بیٹا" کا لفظ استعمال کر دیا۔ ممکن ہے کہ انہوں نے اِس لفظ میں عقیدت کا ذرا زیادہ اظہار تصور فرمایا ہو۔ اتنی سی بات کو جناب پادری عبدالحق صاحب نے الوہیتِ مسیح کے لئے واحد بنیاد خیال کر لیا ہے۔

(امر دوم) پھر یہ بات بھی قابلِ غور ہے کہ (الف) اللہ تعالیٰ نے مسیح کو کبھی نہیں کہا کہ تو میرا اکلوتا بیٹا ہے۔ اگر کہا ہے تو پادری صاحب موجودہ اناجیل سے ہی کوئی حوالہ پیش کریں، کسی سابقہ الٰہی صحیفہ کا حوالہ دکھلائیں، مگر پادری صاحب ایسا نہیں کر سکتے۔ (ب) یسوع مسیح نے خود کبھی یہ دعویٰ نہیں کیا کہ مَیں اکلوتا بیٹا ہوں اور یہ میری الوہیت کی اصل دلیل ہے۔ ہم پہلے پرچہ میں لوقا ۹/۱۸-۲۱، مرقس ۸/۲۷-۳۰، متی ۱۶/۱۲-۱۶ کے حوالوں سے دکھا چکے ہیں کہ حضرت مسیح نے تنہائی میں اپنے حواریوں سے پوچھا کہ لوگ مجھے کیا سمجھتے ہیں تو انہوں نے کہا کہ بعض ایلیاہ، بعض یرمیاہ اور بعض نبیوں میں سے کوئی نبی۔ تب مسیح نے پوچھا کہ تم مجھے کیا کہتے ہو۔ اس پر پطرس نے کہا تو مسیح ہے (مرقس) تُو خدا کا مسیح ہے (لوقا) تو زندہ خدا کا بیٹا مسیح ہے (متی) اس وقت کسی حواری نے نہ کہا کہ

ہم تجھے خدا کا اکلوتا بیٹا سمجھتے ہیں۔ اب دو ہی صورتیں ہیں (۱) یا تو یسوع مسیح نے اپنے حواریوں کو کبھی بتایا ہی نہیں تھا کہ وہ اکلوتا بیٹا ہے (۲) یا پھر وہ اکلوتا بیٹا اور بیٹا و مسیح کو ہم معنے اور مترادف سمجھتے تھے۔ ہر دو صورتوں میں جناب پادری عبدالحق صاحب کا استدلال باطل ٹھہرتا ہے۔ ہاں اس جگہ یہ بات ایک معمہ ہے کہ جب پطرس نے کہا کہ ہم تجھے مسیح یا خدا کا بیٹا سمجھتے ہیں تو مسیح نے انہیں تاکید کر کے حکم دیا کہ "یہ کسی سے نہ کہنا" آخر کیوں؟ کیا یہ بات نادرست تھی یا یہودیوں کا خوف غالب تھا؟ پادری عبدالحق صاحب نے اپنے پرچہ میں "تقریری حدیث" کا ذکر کیا ہے، ان پر واضح رہے کہ تقریری حدیث مندرجہ بالا واقعہ کو ہی کہتے ہیں۔ اگر پطرس کا جواب غلط یا ناقص ہوتا تو یسوع کا فرض تھا کہ انہیں فرماتا کہ تم عجیب آدمی ہو ساری عمر میں تم کو پڑھاتا رہا ہوں کہ میں خدا کا اکلوتا بیٹا ہوں مگر تم مجھے علیحدگی میں بھی زیادہ سے زیادہ مسیح یا نرا بیٹا کہتے ہو۔ مگر مسیح کی اس وقت کی خاموشی واضح دلیل ہے کہ مسیح کا مقام یا دعویٰ اس سے زیادہ نہ تھا۔ "اکلوتا بیٹا" یا تو خود ساختہ لفظ ہے اور یا پھر مسیح اور بیٹا کا مترادف ہے۔ یوحنا کی مراد بھی اس سے زیادہ نہ تھی۔ اور یہ امر پادری صاحب تسلیم کر ہی چکے ہیں کہ لفظ بیٹا سے وہ مسیح کی الوہیت پر استدلال کے دعویدار نہیں ہیں۔

(امر سوم) یہ بات بھی قابل توجہ ہے کہ یہودیوں نے پیلاطس کی عدالت

میں حضرت مسیح کے خلاف جو بڑے سے بڑا قابلِ اعتراض لفظ منسوب کیا تھا وہ محض "خدا کا بیٹا" تھا۔ "اکلوتا بیٹا" نہ تھا۔ لکھا ہے کہ انہوں نے کہا کہ:۔

"ہم اہلِ شریعت ہیں اور شریعت کے موافق وہ قتل کے لائق ہے کیونکہ اس نے اپنے آپ کو خدا کا بیٹا بنایا"۔ (یوحنا ۱۹/۷)

یقیناً یہ یہودی علماء کی شرارت تھی۔ انہوں نے حضرت مسیح علیہ السلام کے خلاف اس لفظ سے سراسر غلط تاثر پیدا کرنا چاہا۔ آہ! آج حضرت مسیح عدالت میں مظلوم، مقید، اور مقہور کھڑے ہیں۔ حواری بھاگ چکے ہیں۔ پیلاطس ایک بزدل حاکم ہے حق کو جاننے کے باوجود اس کی دلیرانہ حمایت نہیں کر سکتا اور یہودی علماء ایک عام مروجہ محاورہ سے جھوٹا استدلال کر کے مسیح کو دار پر کھینچنا چاہتے ہیں اور بڑھ بڑھ کر باتیں بنا رہے ہیں ورنہ ایک سال قبل جب مسیح آزاد تھے اور عید تجدید کے موقعہ پر اسی فقرہ سے انہوں نے عوام کو مشتعل کرنا چاہا تھا تو آپ نے نہایت جرأت سے جواب دیا تھا کہ:۔

"کیا تمہاری شریعت میں یہ نہیں لکھا ہے کہ مَیں نے کہا تم خدا ہو؟ جب اس نے انہیں خدا کہا جن کے پاس خدا کا کلام آیا اور کتاب مقدس کا باطل ہونا ممکن نہیں۔ آیا تم اس شخص سے جسے باپ نے مقدس کر کے دنیا میں بھیجا کہتے ہو کہ تو کفر بکتا ہے اسلئے کہ مَیں نے کہا مَیں خدا کا بیٹا ہوں"۔ (یوحنا ۱۰/۳۴-۳۶)

یہودی اس جواب پر لاجواب ہو گئے تھے مگر آج پیلاطس کی عدالت میں پھر اسی غلط استدلال کو دہرا رہے ہیں۔ ہماری طبیعت حضرت مسیح علیہ السلام کی اس بے کسی سے سخت متاثر ہے جو انہیں پیلاطس کی عدالت میں پیش آئی تھی۔ اسی لئے ہم ذرا دوسری طرف چلے گئے۔ پادری عبدالحق صاحب اور ان کے ساتھی پادری صاحبان سے درخواست ہے کہ وہ غور فرمائیں کہ اگر حضرت مسیح نے کبھی یہود کے سامنے اپنے آپ کو **اکلوتا بیٹا** کہا ہوتا تو وہ اس موقعہ پر ضرور اس لفظ کو استعمال کرتے۔ ان جھوٹے اہلِ شریعت یہودیوں کا اسے اس وقت بیان نہ کرنا صاف ثابت کرتا ہے کہ مسیح نے کبھی نہ کہا تھا کہ میں اکلوتا بیٹا ہوں۔ باقی رہا لفظ "خدا کا بیٹا" ہم اس پر گزشتہ پرچہ میں بالتفصیل گفتگو کر چکے ہیں۔ پادری صاحب نے بھی مان لیا ہے کہ محض خدا کا بیٹا دلیلِ الوہیت نہیں۔

(امر چہارم) یہ بات بھی خاص توجہ کے قابل ہے کہ موجودہ بائیبل میں "اکلوتا بیٹا" کے ساتھ ساتھ حضرت مسیح کے لئے پلوٹھا کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے (عبرانیوں ۱/۶) اور اس سے پہلے تورات میں لکھا ہے:۔

"اسرائیل میرا بیٹا بلکہ میرا پلوٹھا ہے" (خروج ۴/۲۲)

اب اس کی روشنی میں مسیح کے **اکلوتا بیٹا** اور **پلوٹھا بیٹا** ہونے میں بائیبل کے مطابق ہی تطبیق دی جانی چاہیئے۔ بائیبل میں ان تمام لوگوں کو جو نیک اور صالح ہوں خدا کا بیٹا کہا جاتا ہے۔ انبیاء و مرسلین کا مقام ان میں ایک خاص مقام

ہوتا ہے۔ پھر اس لحاظ سے کہ نبی اپنے وقت میں کشتِ روحانیت کا پہلا اور بہترین پودا ہوتا ہے۔ اس کا حق ہوتا ہے کہ اسے اکلوتا بیٹا اور پلوٹھا بیٹا کہا جائے۔ ہم نے اس تطبیق کے سلسلہ میں اپنے پہلے پرچہ میں ایک لطیف نکتہ درج کیا تھا کہ:-

"یہ بات بلاشبہ سچ تھی کہ یہود کے مغضوب علیہم ہونے کے باعث اپنے وقت میں حضرت مسیح شروع میں اکیلے ہی محبوبِ خداوند تعالےٰ تھے گویا وہ اوّل المسلمین تھے اور بائیبلی محاورے میں خدا کے اکلوتے بیٹے تھے۔ جب حواریوں کو توفیقِ ایمان ملی تو اگرچہ ایک رنگ میں حضرت مسیح کی اوّلیت تو قائم رہی لیکن ان کے دوسرے ہم رنگ بھائی بھی پیدا ہو گئے اسی لئے لکھا ہے کہ

"جنہیں اس نے پہلے سے جانا انہیں پہلے سے مقرر بھی کیا کہ اس کے بیٹے کے ہم شکل ہوں تاکہ وہ بہت سے بھائیوں میں پہلوٹھا ٹھہرے۔" (رومیوں ۸/۲۹)

ہمارا غالب گمان ہے کہ جناب پادری صاحب اس لطیف نکتہ کو سمجھ نہیں سکے اسی لئے اس بحث میں پڑ گئے ہیں کہ "اگر خداوند مسیح کے ہم شکل ہونے سے مراد اس کے ہم پایہ ہونا ہے تو خدا کا ہم شکل مقدس آدم (پیدائش ۱/۲۷) بھی خدا تعالیٰ کے مساوی ٹھہرے گا۔"

ناظرین ہماری مندرجہ بالا تطبیق کے الفاظ پر پھر نظر فرمائیں کیا ہم نے اس میں ہم شکل سے مساوی یا ہم پایہ مراد لیا ہے۔ ہم نے تو یسوع کی اوّلیت کو تسلیم کرتے ہوئے "بہت سے بھائیوں میں پلوٹھا" کی تفسیر میں "انہیں ہمرنگ بھائی" لکھا ہے۔ سوال تو "بھائیوں میں پلوٹھا" کی تفسیر کا ہے۔ اگر بھائیوں سے مراد روحانی مومن ہیں جیسا کہ موقعہ سے عیاں ہے تو ان میں پلوٹھا اوّل المؤمنین ہوگا اور یہی اکلوتے بیٹے کے معنے ہوں گے۔ اور اگر بھائی لے پالک ہیں تو ان کا پلوٹھا بھی لے پالک ہوگا۔ رومیوں ۸/۱۵ اور گلتیوں ۴/۵ کے سیاق و سباق سے ظاہر ہے کہ وہاں پر "لے پالک" غلاموں کے مقابل پر بیٹے ثابت کرنے کے لئے استعمال ہوا ہے اور مسیح کو ان بیٹوں میں پلوٹھا قرار دیا گیا ہے۔ (رومیوں ۸/۲۹) جن میں وہ قبل ازیں اکلوتا تھا۔ مگر پادری صاحب اپنے پسندیدہ "واک پھل" سے کام لیکر لکھ رہے ہیں کہ:۔

"ان کو حقیقی بیٹے کے مقابل لے پالک بیٹے کہا گیا۔"

حالانکہ ان تمام عبارتوں میں حقیقی بیٹے کا لفظ تک موجود نہیں۔ پتہ نہیں پادری صاحب نے کس غلط فہمی میں یہاں پر "حقیقی بیٹے" کا لفظ لکھ دیا ہے۔ وہ ذرا حقیقی باپ اور حقیقی بیٹے نیز مجازی باپ اور مجازی بیٹے کی تعریف تو لکھیں۔

پادری صاحب کی تفسیر کے غلط اور تغیر القول بما لا یرضی بہ قائلہ ہونے پر خود رومیوں کے نام کے خط کے یہ فقرات گواہ ہیں کہ:۔

"روح خود ہماری روح کے ساتھ مل کر گواہی دیتی ہے کہ ہم خدا
کے فرزند ہیں اور اگر فرزند ہیں تو وارث بھی ہیں یعنی خدا کے وارث
اور مسیح کے ہم میراث۔ بشرطیکہ ہم اس کے ساتھ دکھ اٹھائیں
تاکہ اس کے ساتھ جلال بھی پائیں"۔ (رومیوں ۸/۱۶-۱۷)

لفظ "مسیح کے ہم میراث" پر پادری صاحب غور فرمائیں تو انہیں حواریوں کا ایمان کے ذریعہ مسیح کا "ہمشکل ہونا" معلوم ہو جائے گا اور مسیح کے اپنے بھائیوں میں سے پلوٹھا ہونے کا مطلب بھی کھل جائے گا۔ شاید پادری صاحب کو ہم شکل ہونے اور اپنی صورت "پر پیدا کرنے (پیدائش ۱/۲۷) کے الفاظ کے واضح فرق کا اندازہ نہیں ہو سکا نیز ان کی توجہ اس طرف مبذول نہیں ہو سکی کہ خدا اور آدم کی جنس الگ الگ ہے مگر آدم زاد سب ہم جنس ہیں اگر کہو کہ میں تو ابنِ آدم کو پہلے ہی خدا مانتا ہوں، تو یہ کھلا مصادرہ علی المطلوب ہے جو متنازع فیہ امر ہے اسی کو دلیل قرار دینا ہوگا۔

خلاصۂ کلام یہ ہوا کہ انجیل یوحنا میں وارد لفظ" اکلوتا بیٹا" سوائے اولیت کے امتیاز کے اور کوئی امتیاز نہیں رکھتا۔ لہذا اس لفظ کو اثبات الوہیتِ مسیح کے لئے دلیل ٹھہرانا" الغریق یتشبث بالحشیش" یعنی ڈوبتے کو تنکے کے سہارا سے زیادہ کچھ نہیں۔ ضعف الطالب والمطلوب۔

(امر پنجم) پادری عبدالحق صاحب سمجھ رہے ہیں کہ یوحنا ۱/۱۴ کے

لفظ "جیسا باپ کے اکلوتے کا جلال" کے فقرہ میں باپ سے مراد خدا ہے حالانکہ محققین نے ان معنوں کی کھلی تردید کر دی ہے۔ تحقیقی ترجموں میں لکھا ہے:-

"glory such as belongs to an only begotten son from a father".

یعنی باپ سے مراد خدا باپ نہیں بلکہ عام انسانی باپوں میں سے ہر وہ باپ مراد ہے جس کا کوئی اکلوتا بیٹا ہو۔ مطلب یہ ہوا کہ جس طرح کسی انسان کا اکلوتا بیٹا اس کی خاص محبت اور توجہ کا مرکز ہوتا ہے اور وہ اس کا اعزاز و اکرام چاہتا ہے اسی طرح اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ حضرت مسیح سے خاص محبت کرتا ہے اور ان کا اعزاز و اکرام قائم کرنا چاہتا ہے لہذا یوحنا کی اس آیت کو الوہیتِ مسیح کی دلیل گردا ننا محض تحکم ہے۔

بائیبل کے محاورہ میں خاص پیارے بیٹے کو اکلوتا بیٹا کہہ دیا جاتا ہے دیکھئے بائیبل تسلیم کرتی ہے کہ حضرت اسمٰعیل حضرت ابراہیم کے بیٹے تھے:-

۱۔ "ہاجرہ ابرام کے لئے بیٹا جنی اور ابرام نے اپنے بیٹے کا نام جو ہاجرہ جنی اسمٰعیل رکھا۔" (پیدائش $\frac{16}{15}$)

۲۔ "اس (سارہ) سے بھی تجھے ایک بیٹا بخشوں گا۔" (پیدائش $\frac{17}{16}$)

۳۔ "جب اس (ابراہیم) کے بیٹے اسمٰعیل کا ختنہ ہوا وہ تیرہ برس کا تھا۔ (پیدائش $\frac{17}{25}$)

۴۔ "اسمٰعیل کے حق میں مَیں نے تیری سُنی دیکھ مَیں اسے برکت دوں گا اور اسے برومند کروں گا۔" (پیدائش ۱۷/۲۰)

لیکن اس کے باوجود جب بائیبل والے حضرت اضحٰق کو زیادہ پیارا اور مقرب ظاہر کرنا چاہتے ہیں تو اسے "اکلوتا بیٹا" قرار دیتے ہیں لکھا ہے:۔

"تو اپنے بیٹے ہاں اپنے اکلوتے بیٹے کو جسے تو پیار کرتا ہے اضحاق کو لے۔" (پیدائش ۲۲/۲)

حالانکہ اسحٰق حقیقتاً اکلوتا بیٹا نہ تھا۔

پس اسی طرح اگر یسوع کو انجیل یوحنا میں اکلوتا بیٹا لکھ دیا گیا ہے تو اس کے معنے اس کے سوا کچھ نہیں کہ ایک انجیل نویس اپنے خاص رجحان کے باعث حضرت مسیح کو اللہ تعالیٰ کا زیادہ پیارا اور خاص مقرب قرار دینا چاہتا ہے وبس۔ اس کو الوہیت مسیح کی دلیل ٹھہرانا محض تحکّم ہے۔

پیارے ناظرین! ہم نے اس حصہ میں ابن اللہ اور اکلوتا بیٹا کے الفاظ کے بارے میں ثابت کر دیا ہے کہ اگر بائیبل میں کسی جگہ ان کا استعمال یسوع بن مریم کے لئے ہوا ہے۔ تب بھی ان سے ان کی الوہیت پر استدلال کرنا سراسر غلط اور بے بنیاد ہے۔ ہمارے پہلے پرچے کے حوالہ جات اور دلائل کے بعد جناب پادری عبدالحق صاحب نے بھی اتفاق فرمایا ہے کہ بلاشبہ لفظ ابن اللہ امر، مدعیٰ کے لئے مثبت نہیں البتہ انہوں نے انجیل یوحنا کے لفظ

اکلوتا بیٹا پر انحصار کیا ہے۔ مگر اوپر کی ہماری بحث سے یہ امر بھی آفتاب نصف النہار کی طرح عیاں ہو چکا ہے کہ لفظ اکلوتا بیٹا بھی یسوع مسیح کی الوہیت پر دلیل نہیں بن سکتا۔ اندریں صورت اب درحقیقت تو بنیادی طور پر اصل مسئلہ زیر بحث واضح ہو چکا ہے البتہ جناب پادری صاحب نے اپنے دونوں پرچوں میں اپنی طرف سے یا ہمارے پرچہ پر جو دوسرے دلائل و قیاسات و اعتراضات درج فرمائے ہیں ان پر بھی تفصیلی تبصرہ کی ضرورت ہے اس لئے ہم بائیبل کی حیثیت پر ضمنی بحث کے بعد اس فرض کو بھی آگے دو مستقل حصوں (۴ و ۵) میں ادا کریں گے وباللہ التوفیق وھو العلی العظیم۔

تیسرا حصّہ

بائیبل کی حیثیت اس مناظرہ میں

(الف) ہم نے اپنے پرچہ ۱ میں "بائیبل میں تحریف" کے مستقل موضوع کو بالکل علیحدہ رکھتے ہوئے اناجیل میں آمیزش کے امکان کے لئے صرف ایک حوالہ پیش کیا تھا کہ :-

"ہم ان بہت لوگوں کی مانند نہیں جو خدا کے کلام میں آمیزش کرتے ہیں۔" (۲ کرنتھیوں ۲/۱۷)

ہمارا مقصد صرف یہ ظاہر کرنا تھا کہ ہمارے لئے اناجیل کا لفظ لفظ حجت نہیں۔ حضرت موسیٰؑ یا حضرت عیسیٰؑ پر نازل شدہ کلامِ الٰہی تو ضرور حجت ہے مگر پولوس ایسے غیر حواری کے سب کلمات وحی قرار نہیں دئے جا سکتے۔ چونکہ ہم بائیبل کو محرف کتاب مانتے ہیں اس لئے اس کے غیر صحیح حصے ہم پر حجت نہ ہوں گے البتہ چونکہ تثلیثی پادری صاحبان ساری بائیبل کو خطوط وغیرہ سمیت الہامی کلام مانتے ہیں اس لئے ان پر ہر ہر لفظ حجت ہے اور ہمیں اس کے پیش کرنے کا حق ہے۔ یہ تصریح مناظرہ لوہیتِ مسیح کے آغاز میں لازمی تھی تا ہر فریق اپنے صحیح موقف پر قائم رہے اور قارئین بھی دلائل و اعتراضات کو درست طور پر جانچ سکیں۔

ہماری اس تصریح پر جناب پادری عبدالحق صاحب بہت ناراض ہوئے ہیں وہ یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ "آمیزش" کا حوالہ یا استدلال غلط ہے البتہ اس کے ذکر کو آپ نے "معقولیت و دیانت" کے خلاف قرار دیا ہے۔ پھر فرماتے ہیں کہ :-

> "اس کے باوجود اگر ہم اس کی سچائی پر صدق دلی سے ایمان رکھتے ہیں تو اس میں ہمارا ہی نقصان ہوگا آپ کو کیا تکلیف پہنچ سکتی ہے۔"

اوّل تو ہم آپ کا بھی نقصان نہیں چاہتے دوسرے اس وضاحت کو مدنظر نہ رکھنے کی صورت میں آپ ہمارے لئے تکلیف کا موجب بن سکتے ہیں کہ نادرست اور غیر تسلیم شدہ اقتباسات کو آپ ہمارے سامنے خواہ مخواہ پیش کرتے رہیں اور بلاوجہ ضیاعِ وقت ہو۔

(ب) پادری صاحب تحریر فرماتے ہیں" ہم ایسے عاجز محض خدا پر ایمان نہیں لاسکتے جو اپنے کلام کی بھی حفاظت نہ کرسکے"۔ بات تو بڑی معقول ہے مگر یہ اسی کلام کے متعلق چسپاں ہوسکتی ہے جس کے متعلق اس نے وعدہ فرمایا ہو۔ اِنّا نحن نزّلنا الذکر وانّا لہٗ لحافظون۔ ورنہ عام کلام جو قوم یا زمانہ سے مخصوص تھا اگر بعد میں خدا تعالےٰ اس کی حفاظت نہ فرمائے تو اس سے ذاتِ باری پر کیا الزام ہو سکتا ہے؟ پادری صاحب آپ"خدا کا کلام اپنی حقیقت میں مستقل اور بے تبدیل" کہنے کے باوجود تسلیم کرتے ہیں کہ:۔

"سہوِ کتابت سے خدا تعالیٰ کے اٹل کلام کی حقیقت پر کوئی اثر نہیں پڑتا"۔

معاف فرمائیے کہ آپ ساری تحریفات کو سہوِ کتابت کہہ کر"واک بھل" اختیار کر رہے ہیں۔ بھلا آپ ہی بتلائیے کہ"آمیزش" والا حوالہ سہوِ کتابت ہے؟ اور پڑھیے لکھا ہے:۔

"تب یرمیاہ نے دوسرا طومار لے کے باروک بن نیریاہ سافر کو دیا اور اس نے اس کتاب کی ساری باتیں جسے یہوداہ کے بادشاہ یہویقیم نے آگ میں جلایا تھا یرمیاہ کے مُنہ سے اس میں لکھیں اور ان کے سوا ویسے ہی بہت سی باتیں ان میں ملائیں"۔ (یرمیاہ ۳۶/۳۲)

خدا خوفی سے فرمائیے یہ سہوِ کتابت ہے یا صریح تحریف اور ملاوٹ؟ اور پڑھیے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل ہونے والی کتاب میں لکھا ہے کہ:۔

"سو خداوند کا بندہ موسیٰ خداوند کے حکم کے موافق موآب کی سرزمین میں مرگیا۔ اور اس نے اُسے موآب کی ایک وادی میں بیت فغور کے مقابل گاڑا۔ پر آج کے دن تک کوئی اس کی قبر کو نہیں جانتا۔" (استثناء ۳۴/۵-۶)

جناب عالی! اگر یہ اور ایسے صدہا حوالے سب "سہوِ کتابت" ہیں تو پھر تحریف کس بلا کا نام ہے؟۔ آیتِ قرآنی افتؤمنون ببعض الکتاب میں الکتاب سے مراد کلام الٰہی ہے جس میں کسی قسم کی تحریف نہیں ہوئی۔ ال تخصیص کے لئے ہے۔ آپ خواہ مخواہ ہم پر ناراض ہو رہے ہیں آپ کے ہاں تو آئے دن تحریفِ بائیبل کے لئے سینکڑوں شواہد ظاہر ہو رہے ہیں۔ نئے محققین کو چھوڑ بھی دیا جائے تب بھی اس موضوع پر مستقل بحث بڑی دلچسپ ہوگی انشاءاللہ۔ آپکو آپ کے بہت سے پرانے "محقق" اساتذہ بھی یہ کہتے ہوئے سنائی دیں گے کہ:۔

"قریباً وہ کل آیات جو الوہیتِ مسیح پر قطعی سمجھی جاتی ہیں اسی طرح غلط متن اور غلط ترجمہ پر مبنی ہیں"

(ج) جناب پادری عبدالحق صاحب ارشاد فرماتے ہیں:۔

"اگر آپ کے نزدیک بائیبل مقدس کے بیانات قابلِ قبول نہیں

تو صرف عقلی دلائل سے باہمی نزاع کا فیصلہ ہو سکتا ہے"۔

جواباً عرض ہے عقلی دلائل بلاشبہ فیصلہ کا ذریعہ ہیں۔ مگر "عقلی دلائل" کے بارے میں خود اختلاف ہے۔ عقولِ متفاوتہ اسی جھگڑے میں عمریں ضائع کر دیتی ہیں کہ یہ دلائل عقلی ہیں یا نہیں۔ بہت سے سادہ لوح عمر بھر چند اوہام اور فرضی قیاسات کو رٹ کر انہیں عقلی دلائل کا نام دیتے رہتے ہیں۔ بایں ہمہ ہم جناب سے متفق ہوں کہ دلائلِ عقلیہ یقینیہ، مفیدہ للیقین ہوتے ہیں مگر کیا آپ بائیبل مقدس کے بیانات کو اِس پایہ کے نہیں مانتے؟ حالانکہ یہ واضح حقیقت ہے کہ کلامِ الٰہی کے بیانات صحیح دلائلِ عقلیہ کے مخالف نہیں ہوتے۔ پس کیوں نہ یوں کیا جائے کہ دلائلِ عقلیہ بھی پیش ہوں اور بائیبل مقدس کے بیانات بھی پیش ہوں۔ ان بیانات میں سے محرّف اور الحاقی حصّوں کو چھوڑ کر نبیوں کے اصل اور معتبر کلام پر مدار رکھا جائے اور متشابہ بیانات کی "تاویل" دیگر محکم بیانات کی مطابقت میں کی جائے۔ ہمارا تو یہی مسلک ہے اور آئندہ بھی رہے گا۔ کیا آپ بھی اسے اختیار فرمانے کے لئے آمادہ ہیں؟ آیئے اسی پر اِس حصّہ کو ختم کرتے ہیں آئندہ اس کے متعلق لکھنے کی ضرورت نہ ہوگی کیونکہ خود بائیبل میں لکھا ہے:۔

"ہمارے پاس نبیوں کا وہ کلام ہے جو زیادہ معتبر ٹھہرا اور تم اچھا کرتے ہو جو یہ سمجھ کر اس پر غور کرتے ہو کہ وہ ایک چراغ

ہے جو اندھیری جگہ میں روشنی بخشتا ہے۔" (۲۔پطرس ۱/۱۹)

چوتھا حصہ

پادری صاحب کے پہلے پرچہ کا تفصیلی جائزہ

اِس حصہ میں مقالہ " ابن اللہ کا تجسم " کا پادری اور احمدی کے عنوان سے جائزہ لیا جائے گا تا اِس بحث کو ممکن حد تک عام فہم بنایا جائے۔

پادری:۔ " ابن اللہ کا تجسم " (عنوان ہے)

احمدی۔ پہلے " ابن اللہ " کی تعریف کی جائے۔ ابنیت حقیقیہ ہے یا مجازیہ؟ اللہ کی کیا تعریف ہے؟ نیز وضاحت کی جائے کہ جسم سے مراد کونسا جسم ہے، مادی یا غیر مادی؟ پھر جمادی یا نباتی یا حیوانی؟ یہ وضاحت بھی مطلوب ہے کہ " ابن اللہ " کے لئے تجسم ذاتی ہے یا عرضی؟ ۔ اِن سوالات کا جواب یا ان کی وضاحت مقالہ میں نہیں ہے، یا دکھائی جائے ورنہ آئندہ کی جائے تا بحث صحیح طریق پہ ہو سکے۔

پادری:۔ "خالقِ کائنات کو اگر تخلیقِ عالم کی علتِ ناقصہ قرار دیا جائے تو تعدد قدماء لازم آئے گا اور اگر علتِ تامہ تو تخلف معلول محال ہونے کی

بہت سے یا تو مخلوقات کا ازلی ہونا لازم آئے گا اور یا ازلی علتِ تامہ سے حادث معلولات کا صدور بواسطہ علتِ محدثہ ماننا پڑیگا۔"

احمدی۔" ابن اللہ کے تجسم" کے اثبات کے لئے ترتیب امور معلوطہ دے کر امرِ مجہول تک پہنچنے کی بجائے آپ نے فرضی قیاسات سے آغازِ گفتگو فرمایا ہے جو شیوۂ محققین نہیں۔ یونانی فلسفہ تو انسان کو "اگر مگر" کے چکر میں ڈال دیتا ہے مگر الٰہی فلسفہ صاف صاف کہتا ہے۔

(۱) "تو ہاں تو ہی اکیلا خداوند ہے تُو نے آسمان کو اور آسمانوں کے آسمان کو اور ان کی ساری آبادی کو اور زمین کو اور جو کچھ اس پر ہے اور سمندروں کو اور جو کچھ ان میں ہے بنایا ہے اور تُو سبھوں کا پروردگار ہے۔" (نحمیاہ ۹/۶)

(۲) ابتدا میں خدا نے آسمان کو اور زمین کو پیدا کیا (پیدائش ۱/۱)

(۳) "خداوند جس نے آسمان پیدا کئے وہ خدا ہے اسی نے زمین بنائی اور تیار کی۔ اس نے اسے قائم کیا (یسعیاہ ۴۵/۱۸)

(۴) "اس زندہ خدا کی طرف پھرو جس نے آسمان اور زمین اور سمندر اور جو کچھ ان میں ہے پیدا کیا۔" (اعمال ۱۴/۱۵)

(۵) "خدا کے کلام کے ذریعے سے آسمان قدیم سے موجود

ہیں اور زمین پانی میں سے بنی اور پانی میں قائم ہے۔"

(۲ پطرس ۳/۵)

(۶) "ایمان ہی سے ہم معلوم کرتے ہیں کہ عالم خدا کے کہنے سے بنے ہیں۔" (عبرانیوں ۱۱/۳)

(۷) "خداوند کے کلام سے آسمان بنے اور ان کے سارے لشکر اس کے منہ کے دم سے ..... اس نے کہا اور وہ ہوگیا اس نے فرمایا اور وہ برپا ہوا۔"

(زبور ۳۳/۶ و ۹)

یہ وہ الٰہی فلسفہ ہے جو بائیبل میں مذکور ہے اور اسی کا ذکر قرآن مجید نے فرمایا انما امرہٗ اذا اراد شیئًا ان یقول لہ کن فیکون کہ اس کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے اس کے کہنے سے سب کچھ پیدا ہوگیا ہے وہی سب جہان کی علت العلل بالارادہ ہے اسے مخلوق اور کمزور انسان پر مت قیاس کرو۔ وہ کائنات کی علت تامہ ہے مگر علتِ مضطرہ نہیں بلکہ علتِ مریدہ ہے وہ مجبور نہیں بلکہ صاحبِ اختیار و ارادہ ہستی ہے واللہ غالبٌ علیٰ امرہٖ ولٰکن اکثر الناس لا یعلمون۔

پادری: "اگر یہ کہا جائے کہ جس وقت فاعل مختار نے ارادہ کیا اسی وقت

معلول صادر ہو گیا تو اس صورت میں معلول کے حدوث کے ساتھ ارادہ کا حدوث لازم آئے گا اور یوں جس کو علتِ تام فرض کیا گیا تھا وہ ارادہ سے پیشتر علتِ تام نہ رہے گی۔"

احمدی۔ المرید (صاحبِ ارادہ) اللہ تعالیٰ کی صفت ہے۔ جس طرح علم صفت ہے اسی طرح ارادہ بھی صفت ہے۔ قیام الصفۃ بدون موصوفہا ممتنع ہوتا ہے اسلئے ارادہ الٰہی بھی ذات کی طرح ازلی ہے۔ جس طرح علم حضوری اور حصولی ہوتا ہے اسی نہج پر سمجھنے کے لئے ارادہ کو بھی دو طرح پر قرار دیا جا سکتا ہے۔ ازلی ارادہ کسی شئی معلوم ذہنی کی تکوین سے تعلق پذیر ہو کر صفتِ خالقیت اسے معرضِ وجود میں لے آتا ہے۔ پس ارادہ (صفت) کا حدوث لازم نہیں آتا اور نہ ہی اللہ تعالیٰ کے علتِ تامہ مریدہ ہونے پر اعتراض پیدا ہوتا ہے، اس صورت میں ترجیح بلا مرجح کا بھی سوال پیدا نہیں ہو سکتا۔

لا یسئل عما یفعل وھم یسئلون۔

پادری۔" استدلال انی کے رُو سے ازلی خالق سے حادث مخلوقات کے صدور کی مثال یہ ہے کہ جن باتوں کا علم ہمارے ذہن میں پہلے سے موجود ہوتا ہے اُن کو زمانہ مابعد میں ہم اپنے کلام کے وسیلہ سے بیان کرتے ہیں۔"

احمدی۔ انّیۃ الشیٔ "تحققہ فی الواقع" کو کہتے ہیں معلول سے علت پر استدلال دلیل عقلی اِنّی کہلاتا ہے۔ مثال کا نام استدلال انّی رکھنا آپ ہی کا کام ہے۔ سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ آپ اللہ تعالےٰ اور اس کی قدرتوں کو عاجز انسانوں کے حالات پر قیاس کرتے ہیں اور خود ساختہ مثالیں بیان کرتے ہیں جو بالکل غلط طریق ہے فلا تضربوا للہ الامثال۔ انسان اپنے ذہنی خیالات و معلومات کے مادی اظہار کے لئے واسطہ کا محتاج ہے مگر اللہ تعالیٰ کی شان تو یہ ہے :-

"اس نے کہا اور وہ ہو گیا۔ اس نے فرمایا اور وہ برپا ہوا"

(زبور ۳۳/۹)

پس قادر مطلق خدا کا اپنی شان کے مطابق قول اور ارادہ ہی مخلوقات کے ظہور کا موجب ہے جس سے اشیاء کا علمی وجود خارج میں حدود اختیار کر لیتا ہے اسلئے علیحدہ واسطہ تکوین کے وجود یا اسکے حدوث و غیر حدوث کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

پادری"۔ کتاب مقدس میں اس کلام خدا کے متعلق جو واسطہ تکوین عالم ہے یہ وضاحت پائی جاتی ہے :" ابتدا میں کلام تھا اور کلام خدا کے ساتھ تھا اور کلام خدا تھا یہی ابتداء میں خدا کے ساتھ تھا۔ سب چیزیں اسی کے وسیلہ سے پیدا ہوئیں اور جو کچھ پیدا ہوا ہے اس میں سے کوئی چیز

بھی اس کے بغیر پیدا نہیں ہوئی۔" (یوحنا ۱-۱ تا ۳)

احمدی۔ اگر "وضاحت" اسی کا نام ہے تو نہ معلوم کہ ابہام اور اغلاق کسے کہا جائے گا۔ بائیبل کے ماننے والے توحیدی علماء کے علاوہ تثلیثی علماء بھی ان تین آیات کی تشریح میں ورطۂ حیرت میں نظر آتے ہیں (۱) جملہ "ابتداء میں کلام تھا" میں "ابتداء" سے کیا مراد ہے، کس کی ابتداء؟ کتنا بڑا ابہام ہے۔ پھر لفظ "ابتداء" حدوث پر دال ہے جو ضمناً کلام کے حدوث پر دلالت کرے گا۔ اگر کہا جائے کہ اگلے جملے سے کلام کی ازلیت پر استدلال ہوتا ہے تو سوال ہے کہ فقرہ "ابتداء میں کلام تھا" بے معنی اور غیر ضروری ثابت ہو رہا ہے۔

(۲) جس یونانی لفظ لوگس کا ترجمہ اس جگہ کلام کیا گیا ہے از روئے لغت اس کے معنے عقل و علم، حکمت، قدرت اور ظہور کے بھی ہو سکتے ہیں اسی لئے علماء بائیبل اس جملہ کے ترجمہ میں مختلف ہیں۔ جہاں تعریف یا وضاحت مقصود ہوتی ہے وہاں الفاظ مشترکہ کا واضح قرینہ کے بغیر لانا غیر مستحسن ہے۔

(۳) ان تین آیات میں تین مرتبہ لوگس استعمال ہوا ہے جس کا ترجمہ کلام کیا گیا ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ یہ کلام کوئی شخص ہے یا صرف صفت الٰہی ہے؟ اس تعیین کے لئے کوئی قرینہ صارفہ ہونا چاہیئے تھا۔

(۴) ان تین آیات میں تین مرتبہ ترجمہ میں لفظ خدا وارد ہوا ہے۔ یونانی انجیل میں

اس کے لئے جو لفظ آیا ہے وہ پہلی اور تیسری جگہ تو حرفِ تعریف کے ساتھ آیا ہے جس سے صحیح طور پر ذاتِ باری تعالیٰ مراد ہو سکتی ہے مگر دوسری جگہ جس لفظ کا ترجمہ اُردو میں خدا کیا گیا ہے وہ بغیر حرفِ تعریف کے نکرہ ہے۔ اسی لئے انگریزی ترجمہ میں "اور کلام خدا تھا" کے لئے یہ الفاظ ہیں :-

"and the word was a god"

ظاہر ہے کہ "a god" اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے استعمال نہیں ہوگا۔ پس یہ قرینہ ہے کہ اس جگہ کلام صفتِ الہٰی ہے کوئی شخصی وجود نہیں، اور صفتِ الہٰی کو مجازاً a god کہہ دیا گیا ہے۔

(۵) جملہ "کلام خدا کے ساتھ تھا" کتنا مغلق ہے۔ معیّت کس قسم کی تھی زمانی، مکانی یا مرتبی کوئی تصریح نہیں ہے۔ لفظ "ساتھ" غیریت پر دال ہے کیا یہ کلام خدا کا غیر تھا؟ لفظ تھا زمانہ ماضی بعید کے لئے آتا ہے۔ کیا اب کلام خدا کے ساتھ نہیں؟

(۶) جملہ "یہی ابتداء میں خدا کے ساتھ تھا" بھی وضاحت طلب ہے "ابتداء" اور "ساتھ" کی توضیح و تعیین مطلوب ہے۔ لفظ یہی کلمۂ حصر ہے اس کا اشارہ کلام کی طرف ہے۔ کلام کو پادری عبدالحق صاحب اور ان کے معاون و مددگار اقنومِ ثانی قرار دیتے ہیں ان کی تفسیر

کے مطابق اِس جملہ کا مطلب یہ ہوگا کہ ابتدا میں صرف اقنوم ثانی ہی اقنوم اوّل کے ساتھ تھا۔ گویا اقنوم ثالث کے وجود کی نفی ہو رہی ہے اور بقول پادری صاحب تعدد قدما لازم آرہا ہے جو محال ہے۔ پس عقیدۂ تثلیث خود تثلیثی پادریوں کی تفسیر سے پاش پاش ہو رہا ہے اور خدائے واحد کی توحید ثابت ہو رہی ہے۔

(۷) جملہ "ساری چیزیں اُس کے وسیلے سے پیدا ہوئیں" میں "اُس" سے مراد خدا تعالیٰ لینا عبارت کے لحاظ سے زیادہ قرینِ قیاس ہے یہی "تاویل" بائیبل کی دیگر محکم آیات کے مطابق ہے جن میں تصریح سے کہا گیا ہے کہ خالقِ کون و مکان خدائے قادرِ مطلق واحد لاشریک لہٗ ہے چنانچہ چند آیات ہم پہلے درج بھی کر چکے ہیں۔ کلامِ الٰہی یعنی کلمۂ "کُن" ذریعۂ تکوین ہے۔

(۸) پادری صاحب انجیل یوحنا کے مبہم دیباچہ سے الوہیت مسیح پر دلیل لا رہے ہیں حالانکہ اس انجیل کے مصنّف کا یہ مقصد اور مدعا ہی نہیں۔ یوحنا کہتے ہیں کہ مَیں نے یہ اوراق اسلئے مرتب کیے ہیں اور ان میں معجزات درج کیے ہیں "تا تم ایمان لاؤ کہ یسوع ہی خدا کا بیٹا مسیح ہے"۔ (یوحنا ۲۰/۳۱)۔ کیا اس بیان سے وہ سارا کھیل بگڑ نہیں جاتا جسے جناب پادری صاحب مصطلحات کے غلط استعمال سے "واک چھل" کی صورت میں پیش

فرماتے ہیں؟ یوحنا کا نصب العین زیادہ سے زیادہ "ابنیت مسیح" کا اثبات ہے اور ابن اللہ کا استعمال بقول جناب پادری عبدالحق صاحب الوہیت مسیح پر دلیل نہیں۔ پس انجیل یوحنا کی تین ابتدائی آیات کی وہ تفسیر جو پادری صاحب فرما رہے ہیں تفسیر القول بما لا یرضیٰ بہٖ قائلہ کی مصداق ہے۔

(۹) یوحنا انجیل نویس نے "ابنیت" کے بارے میں بھی تشریح کر دی ہے۔ بلکہ خود حضرت مسیح کی زبان مبارک سے کروا دی ہے یعنی یہ کہ لفظ "خدا کا بیٹا" مجازاً محبوبِ خدا کے معنوں میں مستعمل ہوا ہے۔ (یوحنا ۱۰/۳۴-۳۶)

(۱۰) یوحنا کی ابتدائی آیات کے ابہام سے اگر کسی پادری صاحب کو غلطی لگنے کا احتمال تھا تو جناب یوحنا نے خدا کو اکیلا اور برحق نیز حضرت مسیح کو محض اس کا ایک رسول بتا کر اس کا ازالہ کر دیا۔ (یوحنا ۱۷/۳) اور پھر یسوع مسیح کا قول:- "باپ مجھ سے بڑا ہے" (یوحنا ۱۴/۲۸) تو گویا جملہ اشکالات کے لیے بطور کلید پیش کر دیا ہے۔ اس جگہ کوئی فلسفی منطقی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ جو چھوٹا ہے وہ خدا کی ذات کا باطنی اقنوم ہے کیونکہ باپ کی بڑی ذات بیٹے کی چھوٹی ذات کے ساتھ ذات میں اتحاد کی صورت میں خدا کی ذات کو ناقص بنا دیگی کیونکہ کامل اور ناقص ذات کا مجموعہ ناقص ہوگا اور ناقص خدا نہیں ہو سکتا۔

پادری:۔ "کلامِ خدا جو علّتِ محدثہ ہے وہ علّتِ معیدہ سے باطنی امتیاز کے باوجود ذات میں واحد ہے"

احمدی:۔ مندرجہ بالا امورِ عشرہ کی روشنی میں یہ دعویٰ نہ صرف بے دلیل ہے بلکہ سراسر غلط ہے۔ ذرا بیان تو کریں کہ وہ "باطنی امتیاز" ذاتی ہے یا غیر ذاتی؟

پادری:۔ "اس بیان (یوحنا ۱:۱۴) سے واضح ہے کہ اقنوم اوّل یعنی علّتِ معیدہ کے لیے باپ اور اقنوم ثانی یعنی علّتِ محدثہ کے لئے اکلوتے کا لفظ تمثالی معنوں میں استعمال ہوتا ہے"

احمدی:۔ لفظ "باپ کے اکلوتے کا جلال" پر مفصل بحث ہو چکی ہے محققین کے نزدیک اس جگہ "باپ" سے مراد خدا نہیں بلکہ عام باپ ہے اسی لئے وہ ترجمہ میں a father لکھتے ہیں۔ اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال۔ اس جگہ کلام سے اقنوم مراد لینا سراسر تحکم ہے۔ کائنات کا سارا ظہور اور موجودات کا سب تجسم الہامی کلام کے ذریعہ سے ہوا ہے۔ کتاب پیدائش باب اوّل میں صراحتاً درج ہے کہ ساری کائنات کلمۂ کُن (ہو) سے ہو گئی ہے "خدا نے کہا کہ اُجالا ہو اور اُجالا ہو گیا" پس جس طرح کلامِ الٰہی کا ظہور کائنات کے ذرہ ذرہ میں ہے گویا مجازاً ہر مخلوق کلامِ خداوندی سے متجسم ہوئی

ہے اسی طرح اگر مسیح کو بھی اس کے کلام کا مظہر قرار دیا جائے تو کیا جائے اعتراض ہے۔ اس سے الوہیت مسیح یا اس کی اقنومیت کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔ تمثّل اور تجسّم میں بڑا فرق ہے۔ یہ بھٹے دانائی اور حکمت کہتی ہے "جس وقت اس نے زمین کی نیویں ڈالیں اس وقت میں پرورد کی مانند اس کے ساتھ تھی۔" (امثال $\frac{۸}{۳۰،۲۹}$)

پادری۔ "اس زمانہ کے آخر میں ہم سے بیٹے کی معرفت کلام کیا" (عبرانیوں) کلام خدا اور بیٹے سے مراد واحد شخص ہے۔"

احمدی۔ لفظ "بیٹے کی معرفت کلام" میں بیٹے اور کلام کو ایک قرار دینے سے ظرفیۃ الشئ لنفسہ لازم آتی ہے جو باطل ہے۔ ورنہ پھر "نبیوں کی معرفت کلام" (عبرانیوں $\frac{۱}{۱}$) سے نبیوں اور کلام کا شخص واحد ہونا بھی واجب التسلیم ہوگا۔

پادری۔ خدا تعالیٰ کو نور سے مثال دی گئی ہے (ایوحنا $\frac{۱}{۵}$) اسلئے بیٹا جو ازلی نور کا ازلی ظہور ہے وہ اس کے جلال کا پرتو اور اس کی ذات کا نقش ہے۔ (عبرانیوں $\frac{۱}{۳}$)

احمدی۔ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی مثال نُور سے ہے اور اس کا نور اسکی مخلوقات پر ہمیشہ سے ظہور کرتا آیا ہے کیونکہ سلسلہ مخلوقات قدامتِ نوعی رکھتا ہے نہ شخصی۔ اور جن پر خدا کا نور ظہور کرتا رہا ہے وہ شروع

سے اس کے بیٹے کہلاتے رہے ہیں، وہ سب اس کے جلال کے پرتو اور اس کی ذات کے نقش تھے۔ اسی لئے کہا "خدا نے انسان کو اپنی صورت پر پیدا کیا" (پیدائش ۱/۲۶)

اگر اللہ کے نور کے ظہور کو محض مسیح سے مخصوص کر دیا جائے تو اس سے غیر محدود کی محدودیت زمانی و مکانی لازم آتی ہے لہذا باطل ہے۔

پادری۔ "باپ بیٹا جو مضافین ہیں اور یہ اضافی نام باطنی امتیاز پر دلالت کرتے ہیں ان کی باطنی وحدت کی حیثیت کو روح القدس سے تعبیر کیا گیا ہے"

احمدی۔ آپ اسی طرح کے فرضی اور خود ساختہ الفاظ کے مجموعہ کا نام الٰہیات رکھتے ہیں۔ جب لفظ "ابن اللہ" الوہیت پر دلیل ہی نہیں اور آپ کو خود مسلّم ہے تو ان فرضی تعبیرات کا کیا مطلب؟

باپ بیٹے میں باطنی امتیاز کیا ہے اس کی تشریح کی ہوتی؟ پھر بتایا ہوتا کہ وہ امتیاز حقیقی ہے یا محض اعتباری؟ نیز بتلاتے کہ باپ بیٹا ہونا بھی حقیقی ہے یا مجازی؟ ان کی باطنی وحدت کیا ہے اور کیوں ہے؟ اگر روح القدس واقعی اقنوم ہے تو اس کو بھی باطنی امتیاز حاصل ہے یا نہیں۔ پھر اس کے لئے بھی باطنی وحدت ہے یا نہیں؟ کیا یہ تسلسل اور گورکھ دھندا نہیں ہے؟

پادری۔ "مخلوقات کے قیام محدودی کے لئے باپ علتِ مفیدہ اور بیٹا علتِ محدثہ اور روح القدس علتِ مبقیہ ہے۔"

احمدی۔ یہ ہندوؤں کے عقیدہ "تری مُورتی" کی بے دلیل نقل ہے۔ ازلی خدا خود خالق اور خود رب ہے۔ وہ علّت العلل ہے۔ اسکے ساتھ نہ کوئی ازلی شریک ہے نہ کسی اَور کے ازلی علت بننے کا سوال ہے۔

پادری۔ "یسوع مسیح اگرچہ بحیثیت تشخص (پرسنلٹی) واحد الٰہی اقنوم ہے لیکن اس کی دو ذاتیں ہیں ایک حقیقی و ازلی و غیر محدود یعنی الوہیت اور ایک اضافی و حادث و محدود یعنی انسانیت۔"

احمدی۔ ہم اس دعویٰ بلا دلیل پر منع وارد کرتے ہیں۔ مسیح کا الٰہی اقنوم ہونا بھی غیر مسلّم ہے اور مسیح کی دو ذاتوں کا نظریہ بھی محض بے بنیاد ہے۔

ھاتوا برھانکم ان کنتم صادقین۔

کیا مسیح نے کبھی خود کہا ہے کہ میری دو ذاتیں ہیں؟ ہرگز نہیں۔ یہ بھی دریافت طلب ہے کہ آپ لوگ صرف اقنوم ثانی کی دو ذاتیں مانتے ہیں یا اقنوم اوّل اور اقنوم ثالث کی بھی؟ پادری صاحب بتائیں کہ وہ ان نظریات کی صورت میں بہائیوں کے اس دعویٰ کا کیا جواب دیں گے کہ پہلے اقنوم ثانی (بیٹے) نے تجسّم اختیار کیا اور اب اقنوم اوّل (باپ) نے تجسّم اختیار کر لیا ہے اسی لئے بہاء اللہ

نے پوپ کو لکھا تھا قد جاء الاب۔ کہ اب باپ آگیا ہے؟ دو ذاتوں کے وہمی نظریہ پر عیسائیوں کے پاس کوئی دلیل نہیں۔ صاف بات ہے کہ اگر دو ذاتوں والی بات فضیلت ہے تو پھر ایک اقنوم کو ہی کیوں حاصل ہو سب باری باری اس سے حصہ لیں گے۔

پادری:۔ "استدلالی علم سے صرف اس کی ہستی اور قدرت کا ثبوت ملتا ہے اس کی ذات وصفات کی حقیقت کا علم حاصل نہیں ہو سکتا۔"

احمدی:۔ حق یو ہے کہ استدلال سے اس کی ہستی کا علم بھی امکان کی حد تک حاصل ہوتا ہے۔ مرتبہ یقین صرف الہام اور کلام سے ملتا ہے۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے اس صداقت کو کیا خوبصورت پیرایہ میں ذکر فرمایا ہے کہ ؎

العاقلون بعالمین یرونہ

والعارفون دارابہ اشیاء

کہ عاقل کائنات کے ذریعہ خدا کو شناخت کرتے ہیں مگر عارف اللہ تعالیٰ کے بتانے سے حقائق الاشیاء کا ادراک حاصل کرتے ہیں۔

پادری صاحب! جب ذات وصفاتِ خالق غیر محدود اور بے حد ہیں تو ان کی "حقیقت کا علم" ممکن بھی ہے؟ پہلے حقیقتِ ذات وصفات

کو تو معین کریں۔ لا یحیطون بشیءٍ من علمہٖ الّا بما شاء۔
نیز فرمایا لا تدرکہ الابصار و ھو یدرک الابصار و
ھو اللطیف الخبیر۔

پس اس ضمن میں جتنا علم انسان حاصل کر سکتا ہے وہ اللہ تعالےٰ کے الہام و کلام کے ذریعہ ہی کر سکتا ہے نہ اپنے قیاسات سے ؎

در قیاسات ہتی جانت اسیر
جانِ ما قربانِ علمِ آں بصیر

پادری: "کوئی موضوع و محدود و مرکب لفظ ازلی و غیر محدود و لطیف ہستی کا حقیقی نام نہیں ہو سکتا۔"

احمدی۔ اس استحالہ پر کیا دلیل ہے؟ اللہ تعالیٰ نے خود اپنے لئے ازل سے بطور عَلَم لفظ اللہ اختیار فرمایا۔ جو جامع نام ہے اور حقیقی نام ہے۔ وہ اس ذات کی ازلیت، غیر محدودیت اور لطیف ہونے پر دال ہے۔

پادری: "نوعِ انسان کے لئے خدا تعالیٰ کی ذات و صفات کے حقیقی علم و عرفان کا امکانی حصول خدا کے بیٹے کے واسطہ سے ہی ممکن ہے کیونکہ کوئی نہیں جانتا کہ بیٹا کون ہے سوا باپ کے۔ اور کوئی نہیں جانتا کہ باپ کون ہے سوا بیٹے کے اور اس شخص کے جس پر بیٹا اسے ظاہر کرنا

چاہیے۔" (لوقا ۲۲/۲۲ متی ۲۸/۲۸)

احمدی۔ پادری صاحب نے مخلوقات کے ذریعہ استدلالی علم، الہامی نوشتوں کے ذریعہ مثالی علم وغیرہ طولانی قصہ صرف یہ کہنے کے لئے اختیار کیا ہے کہ خدا کی ذات و صفات کا حقیقی علم یسوع مسیح کے ذریعہ سے ہو سکتا ہے جو ابن اللہ ہے۔ چونکہ یہ موضوع بنیادی رنگ رکھتا ہے اسلئے ذرا تفصیل سے عرض ہے:۔

(الف) پادری صاحب کی یہ بات قابلِ تسلیم ہے کہ "مظہر اللہ" کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کی شناخت ہوتی ہے۔ یہ بھی درست ہے کہ گو کائنات کا پتہ پتہ معرفتِ کردگار کا دفتر ہے مگر انسان بوجہ اشرف المخلوقات ہونے کے مظہریت کا زیادہ مستحق ہے۔

(ب) بائیبل میں شروع سے نبیوں کو مجازی طور پر اِلٰہ اسی لئے کہا گیا (الزبور ۸۲/۶) کہ وہ مظاہر اللہ تھے اور ان کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ کی معرفت حاصل ہوتی تھی۔ مگر کبھی نہ سمجھا گیا کہ وہ اقنوم ہیں یا خدا ہیں بلکہ ہمیشہ انہیں انسان سمجھا گیا۔ انسانوں میں سے یہ اشرف اور اعلیٰ وجود ذاتِ برحق کی ہستی، اس کی صفات اور اس کی قدرتوں کے گواہ تھے۔ ان پر معجزات و بیّنات کا ظہور بھی اسی مقصد کے لئے ہوتا تھا۔ انبیاء و مرسلین کے علاوہ بعض اور اشیاء بھی تجلیاتِ الٰہیہ کے

ظہور کا مرکز بنی ہیں۔ اسی سلسلہ میں پادری صاحب نے بہت سے حوالے بائیبل سے درج کر دیئے ہیں۔

(ج) یہ مظاہر اللہ سب دنیا اور ساری قوموں میں ہوئے ہیں۔ وان من امۃ الا خلا فیھا نذیر۔ مگر بعض قوموں نے مرور زمانہ کے باعث ان مقدسوں کے ذریعہ ظاہر ہونے والے بینات و معجزات کی مافوق البشریہ حیثیت کے باعث ان مقدسوں کی Personality کو الہٰی تشخص قرار دیکر اوتاریت کا عقیدہ ایجاد کر لیا۔ ہندوؤں، بابلیوں، یونانیوں اور دیگر بعض قوموں میں یہ نظریہ موجود تھا۔ کلیسیا نے حضرت مسیح کے عرصہ بعد اسی عقیدہ کو اپنا لیا اور پھر وہی تاویلیں جو اوتاروں کے قائل کیا کرتے تھے کلیسیا کے پادری کرنے لگ گئے۔

(د) حضرت مسیحؑ اپنے وقت میں ہستی باری تعالیٰ کے گواہ تھے۔ اسکی قدرتوں کو بتانے آئے تھے مگر وہ نبیوں میں سے ایک انسان نبی تھے ان میں انبیاء کی مانند ایک ہی مقدس ذات تھی دو ذاتیں نہ تھیں۔

(ح) یہ ضرور درست ہے کہ مسیحؑ کے درجۂ قرب الہٰی اور ان کے مقام کو اللہ ہی جانتا تھا۔ یہودی تو انہیں کذاب اور مفتری کہتے تھے اور

یہ بھی سچ ہے کہ اس زمانہ میں اللہ تعالیٰ کی صفات اور مقدرتوں کو بھی صحیح طور پر حضرت مسیح ہی جانتے تھے۔ وہ اسی لئے آئے تھے تا لوگوں پر ان قدرتوں کو ظاہر کریں اور لوگ اپنے رب کو پہچانیں۔ یہ باتیں تو درست ہیں مگر ان سے نہ حضرت مسیح کی الوہیت ظاہر ہوتی ہے نہ اقنوم کا قصہ پیدا ہوتا ہے یہ سادہ سا قابلِ فہم اور معقول مسئلہ ہے۔

(۳) پادری عبدالحق صاحب کے لئے اپنے بیانات کے ماتحت ایک الجھن پیدا ہے کیونکہ فقرہ "کوئی نہیں جانتا کہ بیٹا کون ہے سوا باپ کے اور کوئی نہیں جانتا کہ باپ کون ہے سوا بیٹے کے" دور و تسلسل کو مستلزم ہے۔ بیٹے کو صرف باپ جانتا ہے اور باپ کو صرف بیٹا جانتا ہے۔ بقول پادری صاحب باپ کو شناخت کرانے کے لئے بیٹے نے تجسم اختیار کیا۔ اور کچھ لوگوں کو شناخت کرا دیا مگر بیٹے کو شناخت کرانے کا مرحلہ ہنوز باقی ہے۔ جب تک اس کے لئے باپ تجسم اختیار نہ کرے اور یہ دور کو مستلزم ہے کیونکہ بقول پادری صاحب مخلوقات اور الہامی نوشتوں سے "حقیقی علم و عرفان" جس طرح باپ کا نہیں ہو سکتا بیٹے کا بھی نہیں ہو سکتا۔

پھر الجھن در الجھن یہ ہے کہ جب بیٹے "کا تجسم" ختم ہو گیا کیونکہ بقول پادری صاحب وہ صلیب پر مر گیا تو باپ کے جاننے کا کوئی ذریعہ بھی باقی نہ رہا۔ گویا عجیب قصہ ہے کہ نسل انسانی کے لئے حقیقی شناخت ربانی کا ذریعہ صرف اور صرف ابن اللہ کا تجسم تھا۔ آج سے قریباً دو ہزار برس پہلے جبکہ انسانوں کی پیدائش پر ہزار ہا سال بیت چکے تھے اور کروڑوں انسان فوت ہو چکے تھے پادریوں کے زعم میں حضرت مریم کے پیٹ سے پیدا ہونے والے بچے عیسیٰ علیہ السلام کے ذریعہ ابن اللہ کا تجسم ہوا۔ اور تین سال یا زیادہ سے زیادہ تینتیس سال کے اندر یہ "تجسم" ختم ہو گیا اور پھر ہمیشہ ہمیش کے لئے یہ "تجسم" نابود ہو گیا۔ بتایئے کہ اتنی سی بات کو افسانہ بنا لینے کی کیا ضرورت تھی؟ اگر "تجسم" کے بغیر معرفت ناممکن تھی تو ابن اللہ کا تجسم ابتدائے آفرینش میں ہونا چاہیے تھا اور دنیا کے آخر تک قائم رہنا چاہیے تھا

(مترجم) ہمیں پادری صاحب سے اتفاق ہے کہ ذات و صفات الٰہی کا صحیح علم و عرفان اعلیٰ، کامل اور دائمی "مظہر اللہ" کے ذریعہ سے

ل؎ جب پادری صاحب یسوع مسیح کو مظہر اللہ مانتے ہیں تو وہ ان کو خدا نہیں کہہ سکتے کیونکہ مضاف مضاف الیہ میں بحکم بداہۃ العقل مغایرت لازمی ہے کہ لا اضافۃ الشئی الی نفسہ المتقدمۃ محال۔ (منہ)

زیادہ ہوگا۔ مگر ہم یہ ماننے کے لئے تیار نہیں کہ وہ کامل مظہر اللہ یسوع بن مریم تھے۔ ہمارے نزدیک وہ کامل مظہر اللہ جس نے نوعِ انسانی کو ذات و صفاتِ باری تعالیٰ سے صحیح رنگ میں روشناس کرایا وہ صرف سیدنا و سیدالاوّلین والآخرین حضرت خاتم النبیین محمد صلی اللہ علیہ وسلم ہیں۔ جس کا ناقابلِ تردید ثبوت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی صفات کے متعلق جو تعلیم پوری وضاحت سے قرآن مجید اور احادیث نبویہ میں مذکور ہے اس کا عُشرِ عشیر بھی مسیح علیہ السلام نے بیان نہیں کیا۔ اگر کسی خدا ترس پادری کو اِس تحقیق کی ضرورت ہو تو بآسانی یہ موازنہ کیا جا سکتا ہے۔ مسیح نے خود فرمایا تھا کہ:۔

"مجھے تم سے اور بھی بہت سی باتیں کہنی ہیں مگر اب تم ان کی برداشت نہیں کر سکتے۔ لیکن جب وہ یعنی سچائی کا روح آئے گا تو تم کو تمام سچائی کی راہ دکھائیگا۔" (یوحنا ۱۶/۱۲-۱۳)

پس "تمام سچائی" کی راہ دکھانے والا مظہر اللہ یعنی حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کامل و اعلیٰ مظہر اللہ ہے۔ درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔ حضرت مسیح کے حواریوں کو بھی دیکھ لیں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ رضی اللہ عنہم کو بھی دیکھ لیں پتہ لگ جائے گا کہ کس نے

ذات وصفات کا عرفان زیادہ دیا ہے۔

پادری: "انسان کے لئے تدریجی کمال کا حصول اپنے خالق کی طاعت و عبادت کے بغیر ممکن نہیں"۔

احمدی۔ بات تو درست ہے کیونکہ انسان کی پیدائش کا مدعا ہی عبادت ہے۔ ما خلقت الجنّ والانس الّا لیعبدون (ذاریات: ۵۶) مگر آپ نے عبادت کی حقیقت نہیں بتائی۔ قلبِ انسانی کے صفاتِ باری تعالیٰ کے رنگ میں رنگین ہونے کا نام عبادت ہے صبغۃ اللّٰہ ومن احسن من اللّٰہ صبغۃ ونحن لہٗ عابدون (بقرہ: ۱۳۸) انسان کے دل اور اس کے خالق کے درمیان کوئی واسطہ ممکن نہیں۔ قلب کا مقام عرش کا مقام ہے۔ وہ دوسروں کے تصرف سے آزاد اور محض اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہے۔ آپ کی یہ بات سراسر بے دلیل ہے کہ انسانوں کے لئے عبادت بلاواسطہ بجالانا "قطعاً محال و ممتنع ہے"۔ کیا انبیاء و صلحاء پہلے عبادت نہیں کرتے رہے حالانکہ آپ کے مزعوم ابن اللہ کے تجسم کا نام و نشان نہ تھا۔ انبیاء نے کامل روحانی ارتقاء عبادت کے طفیل ہی حاصل کیا تھا۔

پادری۔ "حقیقی واسطہ عبادت (قبلہ) اشرف المخلوقات کا وہ اعلیٰ و اکمل و افضل الناس جزئی ہو سکتی ہے جو الٰہی مخلوق کے طور پر ہو"۔

احمدی ۔ سب انسان الٰہی مخلوق اور اللہ تعالیٰ کی صورت پر ہیں ۔ ان میں سے اعلیٰ اور افضل جزئی کو آپ واسطۂ عبادت یعنی قبلہ کہتے ہیں حالانکہ نہ خدا مادی ہے اور نہ اس کی عبادت کے لئے کسی مادی واسطۂ عبادت کی بطور قبلہ ضرورت ہے ۔ فرمایا اینما تولّوا فثمّ وجہ اللّٰہ ۔ ظاہری قبلہ تو اتحاد و تعیین جہت کے لئے ہے ۔ اصل عبادت دل کی گدازش اور تخلق باخلاق اللہ ہے اس میں انبیاء و مرسلین معلّم و ہادی تو ہو سکتے ہیں مگر واسطۂ عبادت نہ کوئی انسان بن سکتا ہے نہ مکان ۔ ورنہ شرک لازم آئے گا ۔ اسی لئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا فلیعبدوا ربّ ھٰذا البیت ۔

پادری : "کل مخلوقات پر فنا اور بطالت کا تسلّط ہے ۔ الخ"

احمدی ۔ یہ تو صحیح ہے کہ ہر مخلوق اپنی ذات میں فانی ہے مگر آپ نے اس ضمن میں جو یسوع مسیح کے صلیب پر مرنے اور پھر زندہ ہو جانے کے لئے حوالہ جات اکٹھے کئے ہیں وہ تو سارا معاملہ ہی متنازع فیہا ہے ۔ آپ کے بیان میں نہ عقلی یقینی دلیل ہے اور نہ مسلّمات سے استدلال ہے ۔ اندریں حالات مرنے کو مسیح کی انسانیت اور مُردوں میں سے جی اُٹھنے کو اس کی الوہیت کی دلیل گردانا کیونکر جائز ہے ؟

آپ بخوبی جانتے ہیں کہ ہمارے نزدیک حضرت مسیح کی صلیبی موت کا

دعویٰ ہی غلط ہے۔ ہمارے نزدیک یہ دعویٰ اناجیل سے بھی ثابت نہیں ہو سکتا۔ جب صلیبی موت ہی ثابت نہیں تو پھر مُردوں میں سے جی اُٹھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ الغرض اس ضمن میں آپ کا سارا بیان استدلال سے خالی ہے، نرا دعویٰ ہی دعویٰ ہے۔

پادری۔ "ملاقات و وصال کے لئے ذات و صفاتِ الٰہی سے توافق ضرور ہے کیونکہ دو مختلف ماہیتوں میں ملاقات و وصال ممکن نہیں۔ چنانچہ انسان اور بندر میں بھی جنسی مقاربت کے باوجود تلاقی و تواصل کا امکان نہیں چہ جائیکہ خدا تعالیٰ اور انسان میں۔"

احمدی۔ اوّل تو آپ کے الفاظ بڑے غیر محتاط ہیں۔ کیا آپ ذاتِ الٰہی سے بھی انسان کا توافق ضروری مانتے ہیں؟ کیا "جنسی مقاربت" کے معنے آپ کو معلوم ہیں؟

دوم۔ وصال و ملاقات مادی مراد ہے یا محض روحانی؟ خدا تعالیٰ اور انسان میں روحانی وصال کیوں ممتنع ہے؟ کیا مسیح کے مزعومہ واسطہ سے پہلے انسانوں کو قربِ الٰہی اور وصالِ ربّانی حاصل نہیں ہوتا رہا؟

پادری صاحب! آپ کہتے ہیں کہ انسانیت اپنی محدودیت کے باعث الوہیت سے نہیں مل سکتی۔ مگر سوال تو یہ ہے کہ خالق جس نے انسان کو پیدا کیا ہے وہ بھی اس سے ملاقات کر سکتا ہے یا نہیں؟ جب اس کی

طرف سے وصال بلاواسطہ ممکن ہے، اس میں کوئی استبعاد لازم نہیں آتا تو وھو یدرک الابصار کے مطابق یہ ملاقات بلاواسطہ ہو سکتی ہے۔ ننھا بچہ اپنی کمزوری کے باعث باپ کے پاس نہیں پہنچ سکتا مگر باپ تو کمزور نہیں وہ تو آسکتا ہے۔

انسان اگر گناہ گار ہیں تو توبہ سے پاکیزگی اختیار کریں گے۔ خدا کی معافی بے حد ہے، وہ انتقام کو نہیں بلکہ رحم کو پسند کرتا ہے۔ خدا کے نبی دنیا میں آکر انسانوں کو خدا کے پانے کا راستہ بتاتے ہیں اسلئے وہ خدا اور انسانوں کے درمیانی ہوتے ہیں۔ بلاشبہ حضرت مسیح کو بھی یہ مقام حاصل تھا۔ لکھا ہے :۔

"خدا ایک ہے اور خدا اور انسانوں کے بیچ میں درمیانی
بھی ایک ہے یعنی یسوع جو انسان ہے۔" (ا تیمطاوس $\frac{۲}{۵}$)

یہ حوالہ جسے پادری صاحب نے بھی ذکر کیا ہے سب حوالوں کو حل کر دیتا ہے۔ اپنے وقت کے نبی پر ایمان لانا سب انسانوں کے لئے لازمی ہوتا ہے ورنہ وہ خدا کو نہیں پا سکتے۔ ہر نبی کہتا ہے "کوئی میرے وسیلہ کے بغیر باپ کے پاس نہیں آتا۔" نبی کی تعلیم اور اس کی پیروی کے بغیر کون خدا تک پہنچتا ہے، کوئی نہیں۔ فرمایا قل ان کنتم تحبّون اللّٰہ فاتّبعونی یحببکم اللّٰہ۔ بایں ہمہ سب نبی انسان تھے خدا نہ تھے۔

ہاں عام انسانوں اور خدا کے درمیان روحانیت کی روشن مشعل تھے جس کی روشنی میں لوگ خدا تک پہنچتے تھے اور پہنچتے ہیں۔ پادری صاحب نے صرف ۱۔تمطاؤس ۲/۵ نقل کیا ہے۔ اگر اس حوالہ کو مکمل یعنی تیسری اور چوتھی آیت کے ساتھ شامل کر کے پڑھا جائے تو مضمون بالکل واضح ہو جاتا ہے۔ پورا حوالہ یوں ہے:۔

"یہ ہمارے منجی خدا کے نزدیک عمدہ اور پسندیدہ ہے وہ چاہتا ہے کہ سارے آدمی نجات پائیں اور سچائی کی پہچان تک پہنچیں۔ کیونکہ خدا ایک ہے اور خدا اور انسانوں کے بیچ میں درمیانی بھی ایک یعنی یسوع مسیح جو انسان ہے"

(۱۔تمطاؤس ۲/۳-۵)

پادری:"اگر ابن اللہ کی ہستی اور اس کے تجسّم کا انکار کیا جائے تو خدائے ازلی و غیر محدود کی ہستی کا انکار لازم آئے گا۔"

احمدی۔ کمال خوش فہمی ہے۔ وہ ازلی اور غیر محدود ہے، قائم اور دائم ہے۔ اگر "ابن اللہ" کا مزعوم تجسیم نہ مانا جائے تو انکارِ ذاتِ باری کیونکر لازم آئے گا؟ کیا مسلمان، یہودی، توحیدی عیسائی اور دیگر توحید پرست اقوام ہستی باری تعالیٰ کے منکر ہیں؟ پادری صاحب! ادّعا کرتے وقت کچھ غور تو فرما لیا کریں۔

اسلام کی پیش کردہ توحید پر اپنے موقعہ پر مکمل بحث ہوگی انشاءاللہ مطمئن رہیں۔

پادری: "الٰہی حیات کے کمال کا انکار لازم آئے گا۔"

احمدی۔ یہ دعویٰ بھی بے دلیل ہے۔ عقیدۂ توحید ہی کمالِ الٰہی پر برہانِ قاطع ہے۔

پادری: "ذاتِ الٰہی میں باطنی و امتیازی کثرت کے بغیر کثرتِ صفات کا امکان نہ رہے گا۔"

احمدی۔ کیا دو ہزار سال (فرضی تجسم ابن اللہ کے زمانہ) سے قبل کثرتِ صفاتِ باری ثابت نہ تھی؟ اور معلولاتِ کثیرہ کا وجود نہ تھا؟

پادری: "خدا تعالیٰ کی ازلی محبت کا انکار لازم آئے گا۔"

احمدی۔ پھر یہ تجسم ازل میں ہونا چاہیئے تھا۔ انسانوں کے لئے اللہ تعالیٰ نے جو لاتعدّ ولا تحصیٰ نعمتیں عطا کیں، بے شمار افضال و برکات نازل فرمائے، انسان کے دل میں جو بے پایاں محبت پیدا کی، ہزارہا نبیوں کا سلسلہ جاری فرمایا یہ سب تو خدا تعالیٰ کی ازلی محبت کا ثبوت نہیں، ازلی محبّت کا ثبوت تب ہی ملے گا جب ابنِ مریم کو بصورتِ تجسم تسلیم کیا جائے، کیا عجیب ثبوت ہے؟

پادری: "ازلی و غیر محدود علّت سے حادث و محدود معلولات کا قیام صدوری ممکن نہ ہوگا۔"

احمدی۔ غیر محدود کو محدود کا محتاج ٹھہرانا غیر معقول ہے۔ غیر محدود کا تعدد ممکن نہیں۔ غیر محدود قدرتوں کے مالک خدا کی تو یہ شان ہے کہ:۔

"اس نے کہا اور وہ ہو گیا۔ اس نے فرمایا اور وہ برپا ہوا" (زبور ۳۳/۹)

پادری: "ازلی و غیر محدود علّت تام اور محدود و حادث معلولات میں ارتباط ممکن نہ ہوگا"

احمدی۔ دعویٰ بلا دلیل اور محض "واک جہل" ہے۔ بُت پرست بھی اپنے بُتوں کے بغیر ارتباط کو غیر ممکن بتاتے ہیں۔

پادری: "ذات و صفات الٰہی کے حقیقی علم و عرفان کا حصول محال و ممتنع ٹھہریگا"

احمدی: مفصل جواب اُوپر گزر چکا ہے۔ "امتناع" کے لئے عقلی و واقعاتی کوئی دلیل نہیں۔

پادری: "حقیقی عبادت بجا لانے کا امکان تا ابد نہ ہوگا نیز حقیقی اضافی قبلہ کے بغیر نہ صرف اَن دیکھے بلکہ اَن جانے خدا سے متعلق ہوگی"

احمدی۔ آپ اپنی فرضیات کو دُہرا کر "دلیل" قرار دے رہے ہیں مفصل جواب ہم اُوپر دے چکے ہیں۔ تمام مشرک اور بُت پرست یہی کہتے ہیں ما نعبدھم الا لیقربونا الی اللہ زلفیٰ۔

پادری: "تواصل و تلاقی ممکن نہیں"

احمدی۔ غلط بات کو دُہرانے سے اسے صحیح قرار نہیں دیا جا سکتا۔

پادری۔ "مخلوقات کی قیامت اور اس کے لئے بطالت وفنا کے قبضہ سے چھوٹ کر بقاء باللہ کے استفادہ کا امکان نہ ہوگا۔"

احمدی۔ یسوع مسیح کا صلیب پر مرنا اور پھر جسمانی طور پر زندہ ہونا ہی حقائق کی دنیا میں غیر مسلّم اور غیر صحیح ہے۔ اس کو "ابن اللہ کے تجسّم" کے لئے دلیل ٹھہرانا تو بناء الفاسد علی الفاسد کا مصداق ہے۔

اب ہم پادری صاحب کے ان دلائل کے جائزہ سے فارغ ہوتے ہیں جو انہوں نے الوہیتِ مسیح کے اثبات کے لئے پیش فرمائے تھے۔ واٰخر دعوانا ان الحمد للہ ربّ العالمین۔

پانچواں حصّہ

پادری صاحب کے دوسرے پرچہ کا تفصیلی جائزہ

جناب پادری عبد الحق صاحب کا یہ پرچہ بقول اُن کے "احمدی علماء کے غاصبانہ پرچہ کا جواب" ہے۔ "غصب" کا جواب پہلے حصّہ میں آ چکا ہے۔ آئیے اب ان کے باقی جوابات کا تجزیہ کر لیں:۔

(۱) آپنے یسعیاہ ۹/۶ کے الفاظ "ہمارے لئے ایک لڑکا تولد ہوا اور ہم کو ایک بیٹا بخشا گیا" کو اوّل تو غلط طور پر یسوع مسیح پر چسپاں کیا ہے اور پھر سراسر غلط دعویٰ کے طور پر لکھ دیا ہے کہ:-

"اس سے ظاہر ہے کہ لڑکا تولد ہوا مگر بیٹا بخشا گیا یعنی پیدا نہیں ہوا پس قرآن شریف کے رُو سے کفر کا عقیدہ یہ ہے کہ مسیح بن مریم کو بشری حیثیت سے اللہ مانا جائے"

جوابی پرچہ کی خشتِ اوّل ہی آپنے ٹیڑھی رکھی ہے۔ اِس جواب سے معلوم ہوتا ہے کہ پادری صاحبان نہ صرف قرآن مجید سے بے بہرہ ہیں بلکہ وہ بائیبل سے بھی ناواقف ہیں۔ جواب دیا گیا ہے کہ "بیٹا بخشا گیا" میں لفظ "بخشا" ہے اسلئے یہ "پیدا نہیں ہوا"۔ پادری عبدالحق صاحب کا یہ کتنا بودا استدلال ہے؟ کتاب پیدائش میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ سے فرمایا کہ:-

"تیری جورو دسری جو ہے سو اس کو سری مت کہا کر بلکہ اس کا نام سرہ ہے اور میں اسے برکت دوں گا اور اس سے بھی تجھے ایک بیٹا بخشوں گا۔" (پیدائش ۱۷/۱۵-۱۶)

اب پادری صاحبان کے لئے دو ہی راستے ہیں (۱) یا تو وہ یہ تسلیم کر لیں کہ "بیٹا بخشا گیا" سے جو استدلال پادری عبدالحق صاحب نے کیا ہے وہ سراسر غلط ہے۔ عہد عتیق میں ہرگز کوئی ایسی پیشگوئی نہ تھی کہ مسیح موعود

کی دو حیثیتیں ہوں گی (۲) اور یا پھر مانیں کہ حضرت اسحاقؑ بھی پیدا نہ ہوئے تھے انہیں بھی الٰہی حیثیت حاصل تھی ؎

من نگویم کہ ایں مکن آں کن
مصلحت بیں و کار آساں کن

باقی رہا قرآن مجید کا نظریہ سو وہ سب رسولوں کو بشر قرار دیتا ہے۔ (ابراہیم ۱۱: - التغابن ۶: - الکہف: ۱۱۱) اور حضرت مسیح کے متعلق فرماتا ہے ما المسیح ابن مریم الّا رسول قد خلت من قبلہ الرسل - پس قرآن مجید مسیحؑ کے لئے بشری حیثیت کے سوا الٰہی حیثیت قرار نہیں دیتا۔ جملہ قسم کے عیسائیوں کو جو الوہیت مسیح کا اعتقاد رکھتے ہیں الّذین کفروا کا مصداق قرار دیتا ہے۔ جو مریم کو تیسرا خدا کہتے ہیں ان کی تردید المائدہ : ۱۱۶ میں ہے۔ کیتھولک عیسائیوں کی تردید کے لئے لم تکن لہ صاحبۃ فرمایا ہے۔ "ابن اللہ کے برخلاف استحالہ" کے لئے آیت ذیل پر بھی توجہ فرمائیں :-

یا اھل الکتاب لا تغلوا فی دینکم ولا تقولوا
علی اللہ الّا الحق انما المسیح عیسی بن مریم
رسول اللہ و کلمتہ القاھا الیٰ مریم وروحٌ
منہ فامنوا باللہ ورسلہٖ ولا تقولوا ثلاثۃ

انتھوا خیراً لکم انما اللہ الٰہٌ واحدٌ سبحٰنہ

ان یکون لہ ولدٌ لہٗ ما فی السمٰوٰت وما

فی الارض وکفٰی باللہ وکیلاً (النساء ۱۷۱:)

ترجمہ۔ اے اہل کتاب! اپنے مذہب میں غلو نہ کرو۔ اللہ کے بارے میں ناحق باتیں نہ کہو۔ مسیح عیسیٰ ابن مریم تو صرف ایک رسول ہے اس کا (مخلوق) کلمہ ہے جسے اس نے مریم کی طرف بھیجا اس کی پاک روح ہے پس تم اللہ اور اس کے سب رسولوں پر ایمان لاؤ۔ تین خدامت کہو۔ اس سے باز آجاؤ یہی تمہارے لئے بہتر ہے اللہ یگانہ اور اکیلا معبود ہے۔ وہ پاک ہے کہ اس کا کوئی بیٹا ہو۔ آسمانوں و زمین کی سب چیزوں کا وہی مالک ہے اور وہ اکیلا کافی کارساز ہے۔"

اندریں صورت قرآن مجید کے بیان کے بارے میں پادری صاحبان کو کوئی مغالطہ نہ ہونا چاہیے۔

(۲) پادری صاحب! استثناء ۶/۴ اور ۲۲/۲۲ کے متعلق آپ نے فرمایا کہ یہ ہمارے عقیدہ کے برخلاف قطعاً نہیں حالانکہ ان میں لکھا ہے "ہمارا خداوند اکیلا خدا ہے"۔ "صرف اسی کی عبادت کر"۔ تو فرمائیے کہ الوہیت مسیح کا سوال کہاں سے پیدا ہوتا ہے؟ اس الہامی تصریح کے باوجود یہ محض آپ کی

ضد ہے کہ "ہم وحدتِ ذاتی کے قائل ہیں نہ کہ وحدتِ عددی یا وحدتِ ضدی کے"۔ اسی موقعہ پر قرآن مجید کی دعوت ہے یا اهل الکتاب تعالوا الی کلمة سواء بیننا وبینکم اَلّا نعبد اِلّا اللہ ولا نشرک بہٖ شیئًا ولا یتخذ بعضنا بعضاً اربابًا من دون اللہ۔

(۳) آپ تسلیم فرماتے ہیں کہ "متی ۴/۱۰ میں غیر خدا کو سجدہ کرنا ممنوع ٹھہرایا گیا ہے" مگر اس قولی نصّ صریح کے مقابل "حدیث تقریری کے معتقدین" کو متی ۸/۲، ۹/۱۸، ۱۵/۲۵ مرقس ۵/۶ لوقا ۲۴/۵۲ یوحنا ۲۰/۲۸ کی طرف توجہ دلاتے ہیں کہ مسیح نے اپنے لئے سجدہ کو جائز ٹھہرایا ہے۔

الجواب۔ متی ۴/۱ میں ہے "تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر"۔ اس سے عیاں ہے کہ سجدہ عبادت غیر اللہ کے لئے جائز نہیں۔ ہمارا چیلنج ہے کہ پادری عبدالحق صاحب اور تمام پادری ملکر بھی یہ نہیں دکھا سکتے کہ کبھی مسیح نے یہ کہا ہو کہ مجھے سجدۂ عبادت کیا جائے کیونکہ اگر وہ فی الواقع الٰہ تھے جیسا کہ پادری صاحب سمجھتے ہیں تو انہیں لازماً یہ حکم دینا چاہیئے تھا کہ مجھے سجدۂ عبادت کیا جائے مگر انہوں نے ایسا نہیں کہا۔ باقی لوگوں کے تعظیمی سجدوں سے الوہیت پر استدلال نہیں کیا جا سکتا۔ ہم موجودہ اناجیل کو صحتِ تاریخی کے لحاظ سے زیادہ

محفوظ نہیں مانتے تاہم ہمارا دعویٰ ہے کہ ان اناجیل سے بھی یہ ثابت نہیں کیا جا سکتا کہ مسیح نے اپنے کبھی سجدۂ عبادت کرنے کا حکم دیا ہو۔ متی ۸/۲ میں کوڑھی کے سجدہ کرنے کا ذکر ہے۔ متی ۹/۱۸ میں ایک ضرورتمند سردار کے سجدہ کا بیان ہے۔ متی ۱۵/۲۵ میں کنعانی عورت کے سجدہ کرنے کا ذکر ہے۔ مرقس ۵/۶ میں دیوانہ کے سجدہ کا ذکر ہے۔ یوحنا ۲۰/۲۸ میں سجدہ کا ذکر ہی نہیں۔ لوقا ۲۴/۵۲ میں ضرور لکھا ہے کہ :-

"(وہ) آسمان پر اٹھایا گیا اور وہ اس کو سجدہ کر کے
بڑی خوشی سے یروشلم کو لوٹ گئے۔"

اوّل تو مسیح کے آسمان پہ چلے جانے کے بعد اس کو سجدہ کا سوال ہی نہیں دوسرے سجدہ والے حصّہ کو محققین نے الحاقی قرار دیا ہے اصل یونانی میں یہ ذکر نہیں ہے۔ اگر کسی حواری نے تعظیمی سجدہ رواجاً کر دیا ہو تو یہ امرِ دیگر ہے اصل سوال سجدۂ عبادت کا ہے۔

یہ تو پادری عبدالحق صاحب کے "تقریری حدیث" والے پیش کردہ حوالوں کا ذکر ہے۔ غور طلب امر ہے کہ اگر مسیح نے اپنے لئے سجدۂ عبادت جائز رکھا تھا تو اصل حواریوں کو کیا ہو گیا تھا کہ انہوں نے زندگی بھر اُسے کبھی یہ سجدہ نہ کیا۔ اس "جواز" سے فائدہ اٹھایا تو کوڑھی، مطلب پرست سردار، کنعانی عورت اور دیوانہ مردنے۔

پادری صاحب! کیا آپ الوہیتِ مسیح ایسے ہی تنکوں کے سہارے ثابت کرنا چاہتے ہیں؟

اصل بات یہ تھی کہ حواریوں نے مسیح کا حکم سُنا ہوا تھا کہ:-

"تُو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر۔"

اسلئے وہ کبھی مسیح کو سجدہ نہ کرتے تھے مگر یہ دیوانے اور کوڑھی غیر مکلّف افراد پُرانے طریق پر تعظیمی سجدہ کر دیتے تھے۔

بائیبل سے ثابت ہے کہ ان کے ہاں پُرانے زمانوں سے تعظیمی سجدہ ہوتا تھا۔ ملاحظہ ہو (۱۔تواریخ ۲۹/۲۰، دانیال ۲/۴۶، ۱۔سلاطین ۱۸/۷-۸، ۱۔سلاطین ۱/۲۳، ۱۔سموئیل ۲۴/۸) مسیح کے وقت بھی تعظیماً سجدہ جاری تھا۔ لکھا ہے:-

"نوکر نے گر کر اسے سجدہ کیا اور کہا اے خداوند مجھے
مہلت دے تو میں تیرا سارا قرض ادا کروں گا۔" (متی ۱۸/۲۶)

پس دیوانے، کوڑھی، کنعانی عورت یا سردار نے اگر سجدہ کیا تو ان کی حالت کے پیشِ نظر خاموشی (اگر ثابت ہو کیونکہ عدمِ ذکر سے عدمِ شئے لازم نہیں آتا) قابلِ اعتراض نہیں ہو سکتی اور وہ حکم کہ:-

"اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر"

بدل نہیں سکتا۔ مسیح نے خود خدا کو سجدے کئے۔ حواریوں کو خدا کو سجدہ

کرنے کا حکم دیا۔ پس مسیح کی الوہیت کا دعویٰ سراسر بے بنیاد ہے بلکہ ان کا عبدِ مطیع ہونا بالوضاحت ثابت ہے۔

(۴) آپ نے دریافت فرمایا ہے کہ "اس توضیح واضح کی کیا ضرورت تھی کہ خداوند یسوع مسیح کا ابن اللہ ہونا اسلام اور مسیحیت میں بڑا مذہبی تنازع ہے؟" جواباً عرض ہے کہ بعض مخالف اپنی ضرورت سے زیادہ چالاکی کے ذریعہ اس حقیقتِ واضحہ پر پردہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں یا بعض مخاطب اپنی غباوت کے باعث اسے بڑا مذہبی تنازعہ نہیں سمجھتے اس لئے اس توضیح کی ضرورت تھی۔

(۵) آپ کہتے ہیں کہ دو ہزار سال تک تو ولد اللہ کہنے والی قوموں پر آسمان نہیں پھٹے بلکہ انہیں دوسری مذہبی قوموں پر تقدم حاصل ہے اور وہ کمیونزم کے الحاد کے مقابلہ پر سینہ سپر ہیں۔

جواباً گزارش ہے کہ خدا کے دن لمبے ہوتے ہیں اور تباہی کا مقرر وقت دوسری آیت میں بتا دیا گیا ہے اگر آپ کو قرآن مجید کا علم ہوتا تو آپ یہ سوال نہ اٹھاتے ؎

ہاں مشو مغرور بر حلمِ خدا
دیر گیرد سخت گیرد مر ترا

دنیوی ایجادات کی ترقی کو آپ "تقدم" کہتے ہیں لیکن اگر انہی ایجادات

کا نتیجہ ان قوموں کی تباہی اور بربادی ہو تو کتنا ہی منحوس یہ تقدم ہے۔ کمیونزم کا الحاد و لدا لعدم کہنے والی قوموں میں سے ان کے کمزور عقائد کے نتیجہ میں ہی پیدا ہوا ہے وہ قومیں اس کا کیا مقابلہ کریں گی۔ یہ تو صرف سیاست ہے کہ اپنی دولت و ثروت کے زور پر اس خطرہ کو دور رکھنے کے لئے جدوجہد کی جا رہی ہے مگر سچی توحید کو قبول کئے بغیر الحاد کے اس تلاطم خیز سمندر میں تثلیث کی کاغذی ناؤ کب تک چل سکے گی۔

(۶) محض ہماری مخالفت برائے مخالفت کے لئے جناب پادری عبدالحق صاحب نے لکھ دیا ہے کہ "کائناتِ عالم کا ذرہ ذرہ اور ساری مخلوقات کسی واحد مطلق ہستی کے امکان کے برخلاف گواہی دے رہی ہے" کیا واقعی پادری صاحب دل سے خدائے واحد کے خلاف ہیں اور کائنات کو اس کے خلاف گواہ سمجھتے ہیں؟

واحد علی الاطلاق رب العالمین کی توحید پر بحث کے وقت آپ "استدلالی ثبوت" یا "ثبوتی مفہوم" کا مطالبہ کریں گے تو اسے پورا کیا جائے گا۔ فی الحال تو الوہیتِ مسیح زیرِ بحث ہے۔

پادری صاحب! آپ نے لکھا ہے کہ "ہم مانتے ہیں کہ صرف خدا تعالیٰ کی عبادت کرنا چاہیئے"۔ بھائی "صرف خدا تعالیٰ" کے بعد

"لیکن" کیسا؟ حقائق کو مسخ نہ کیا جائے۔

پادری صاحب لکھتے ہیں "خداوند یسوع مسیح نے جو پیغام اسرائیلیوں کو پہنچایا اس سے مراد کوئی موہومہ واحد مطلق ہستی ہرگز نہیں بلکہ وہ واحد خدا ہے جس کی ذات میں باپ۔ بیٹا۔ روح القدس کی باطنی تثلیث موجود ہے"

جناب عالی! "واحد مطلق" کے لئے "موہومہ" کسی بڑے عالم اور محقق پادری کی تحریر معلوم ہوتی ہے جو لفظاً اور معنیً دونوں طرح غلط ہے۔ خدا کیلئے ذرا سوچو تو سہی کہ جب فرمایا گیا تھا کہ:- "اے اسرائیل! خداوند ہمارا خدا اکیلا خداوند ہے" (استثناء ۴ ؍ ۲) تو کیا "اکیلا" تو وہی بات تھی مراد باطنی تثلیث تھی؟ کیا کوئی خدا ترس انسان اِس بات کو مان سکتا ہے؟ ہرگز نہیں۔ پھر جب یسوع مسیح نے اسرائیلیوں سے کہا "تُو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر" تو اس سے کیا یہ مراد تھی کہ باپ، بیٹے اور روح القدس کی عبادت کیا کر؟ ہرگز نہیں یقیناً یہ خیال کلیسیا کے پادریوں کی "آمیزش" ہے۔ ورنہ پادری صاحب اس کا ثبوت پیش کریں۔

(ے) رومیوں ۱ ؍ ۱۹-۲۱ میں "غیر فانی خدا کے جلال" کو "فانی انسان" کی صورت میں بدل ڈالنے کو "باطل خیال" قرار دیا گیا ہے۔ پادری عبدالحق صاحب کا جواب پڑھیے ارشاد ہوا ہے کہ:- "ہم الوہیت کا جلال کسی مخلوق

سے منسوب نہیں کرتے"۔ پادری صاحب نے اِس فقرہ میں "مخلوق" کی بجائے "فانی انسان" کا لفظ کیوں نہیں رکھا؟ دال میں کچھ کالا ضرور ہے کیونکہ وہ یسوع کو فانی انسان بھی مانتے ہیں اور پھر اس سے الوہیت کا جلال بھی منسوب کرتے ہیں۔ مَیں کہتا ہوں کہ کیا پتھروں کے پُجاری اسی قسم کی رکیک تاویلیں نہیں کرتے جو پادری صاحب کر رہے ہیں؟ کیا وشنو کو ایشور کا اوتار ماننے والے ہو بہو وہی نہیں کہتے جو پادری صاحب کہہ رہے ہیں؟ اگر اِس قسم کی تاویلیں قابلِ تسلیم ہیں تو پادری صاحبان بتائیں کہ

"غیر فانی خدا کے جلال کو فانی انسان اور پرندوں اور چوپاؤں اور کیڑے مکوڑوں کی صورت میں بدل ڈالا۔" (رومیوں ۱/۱۹-۲۳)

میں کن بخیال خویش داناؤں کو "بے وقوف" قرار دیا گیا ہے؟

(۸) بلاشبہ عام معنوں میں کسی انسان کو مظہر اللہ ماننے اور انسان پرستی میں ضرور فرق ہے مگر نام مظہر اللہ رکھنا لیکن عقیدہ یہ کہ "ذات میں باپ، بیٹا۔ روح القدس کی باطنی تثلیث موجود ہے" اور اس میں فی الواقع الوہیت کا ظہور ہوا"۔ جناب! جب ذات میں اشتراک ہو گیا اور فی الواقع الوہیت مانی گئی تو بت پرستی یا انسان پرستی میں کونسا مرحلہ باقی رہ گیا؟ مظہر اللہ تو خدا نہیں ہو سکتا۔ مضاف اور مضاف الیہ میں مغایرت لازمی ہے۔ پادری صاحب کو چاہیئے کہ یا تو توحیدی عیسائیوں کی طرح واضح اعتقاد اختیار

کریں اور یا پھر تثلیثی پادریوں کا پورا رنگ اختیار کریں تا کسی عیسائی کو ان پر "واک چھل" کا اعتراض کرنے کا موقعہ نہ مل سکے۔

(۹) پادری صاحب لکھتے ہیں کہ :-

"اعمال ۱۴/۱۵ سے یہ تو ثابت ہے کہ رسولوں نے بت پرستوں کو اپنی مشرکانہ تعظیم سے منع کیا لیکن خداوند یسوع مسیح کو خود اس کے رسولوں نے سجدہ کیا (متی ۲۸/۱۶، لوقا ۲۴/۵۲)

لوقا ۲۴/۵۲ کے متعلق ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں۔ متی اور لوقا دونوں کا یہ بیان اُس وقت کے متعلق ہے جبکہ بقول انجیل نویس مسیح زندہ ہو کر روح کی شکل میں اُن پر نمودار ہوا اور وہ سخت خوف زدہ اور گھبرائے ہوئے تھے لکھا ہے :-

"انہوں نے گھبرا کر اور خوف کھا کر یہ سمجھا کہ کسی روح کو دیکھتے ہیں۔" (لوقا ۲۴/۳۷)

"انہوں نے پاس ہو کر اسکے قدم پکڑے اور اسے سجدہ کیا۔ اس پر یسوع نے اُن سے کہا ڈرو نہیں" (متی ۲۸/۹) "اسے دیکھ کر سجدہ کیا مگر بعض نے شک کیا۔" (متی ۲۸/۱۷)

پس اگر یہ واقعہ بھی ہو کہ بعض حواریوں نے بطور تعظیم سجدہ کیا تو یہ اُن کی خوف اور گھبراہٹ کی بات ہے۔ وہ تعجب خیز ماجرا دیکھ کر گھبرا گئے تھے اور ان کا سجدہ سجدۂ عبادت نہ تھا اور اس حالت کا ان کا فعل حجت نہیں۔ پس انہیں معذور قرار دیا جا سکتا ہے۔ مگر شریعت کا حکم جس پر ساری عمر

مسیح نے ان کو پابند رکھا کہ "تو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر" تبدیل نہیں کیا جا سکتا۔

(۱۰) پیارے بھائیو! جب کوئی شخص غلط عقیدہ اور غلط موقف کی خواہ مخواہ حمایت کرنے کا عزم کر لیتا ہے تو وہ "الوہیتِ مسیح" کا مدعی ہونے کے باوجود جناب پادری عبدالحق صاحب کی طرح لکھنے لگ جاتا ہے کہ:۔

"خدا کی پیدا کردہ کائنات سے جو ثبوتی توحید عیاں ہے وہ آپ کی مسلمہ سلبی توحید کے بکلّی علی الرغم ہے۔"

"آپ دیگر مذاہب کی توحید (مراد عیسائیت کی تثلیث ہے۔ناقل) کی تردید کرنے کی بجائے اپنی مسلمہ توحید کا کوئی ثبوتی تصوّر اور تشریح اور کائناتِ عالم سے اس کی کوئی مثال تلاش کریں۔"

"صفاتی الفاظ تو انسانی فہم کے لئے مہمل ٹھہریں گے اور ان الفاظ کے سوا آپ کے پاس علم الٰہی کا اور کوئی وسیلہ موجود نہیں۔"

"پس بتائیں کہ آپ کس برتے پر ہمارے عقائد کا منہ چڑاتے ہیں اور الٰہی علم و عرفان کے واحد ٹھیکہ دار بننے کا دعویٰ کرتے ہیں۔"

قارئین کرام فرمائیں کہ ایسے "با اصول" مناظر حضرات سے صحیح طریق سے مناظرہ کس طرح ہو سکتا ہے ؟

(۱۱) پادری صاحب ! آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ "ہم قادیانی ذہنیت کے دین و ایمان سے کوسوں دُور بھاگتے ہیں جن کے نزدیک آسمانی کتابیں بھان متی کا پٹارہ ہیں کہ لفظی جوڑ توڑ سے جو چاہیں ان میں سے نکال دکھائیں"۔ جناب عالی ! ہمارا موقف جو بائیبل کے متعلق ہے اس کا ذکر ہم پہلے کر آئے ہیں۔ ہمارے نزدیک تو مقدس بائیبل سے بھی عقیدۂ توحید ہی ثابت ہے۔ باقی یہ واقعہ ہے کہ بائیبل کے ماننے والے عیسائیوں کا شدید اختلاف دنیا کے لئے باعث حیرت ہے کہ اسی کی آیات سے خدائے واحد لاشریک لہ کا عقیدہ بڑے بڑے توحیدی علماءِ عیسائیت مدلل ثابت کر رہے ہیں مگر دوسری طرف کلیسیا جامع کے مقلد علماء کی بڑی تعداد بائیبل ہی سے یہ ثابت کر رہی ہے کہ :-

"باپ خدا - بیٹا خدا - اور روح القدس خدا تیسرا بھی
تین خدا نہیں بلکہ ایک خدا ؟"

پادری صاحب ! اگر ہو سکے تو اس الجھن کا حل کریں کہ تثلیث اور توحید بیک وقت بائیبل سے کس طرح نکل سکتی ہے ؟

(۱۲) پادری صاحب نے "بقلم خود" لکھ دیا ہے کہ "ہم تعدد آلہہ اور تعدد عقول

کے عقیدہ کو غیر معقول ڈھکوسلا اور کفر پر مبنی سمجھتے ہیں۔ ہمارے وہی عقائد ہیں جن کا بیان کلام مقدس میں موجود ہے اور جن کو کلیسیا جامع مانتی چلی آئی ہے۔"

ہمیں اس تحریر سے خوشی ہے مگر ادب سے گزارش ہے کہ کیا "کلامِ مقدس" میں عقائد کا مکمل بیان موجود ہے یا نہیں؟ اگر موجود نہیں تو "کلام مقدس" اس پہلو سے نامکمل و ناقص ہوگی اور اگر موجود ہے اور یقیناً ہونا چاہیئے تو پھر اس فقرہ کی کیا ضرورت تھی کہ "جن کو کلیسیا جامع مانتی چلی آئی ہے"؟ کیا یہ فقرہ کلیسیائی عقیدہ "باپ خدا بیٹا خدا روح القدس خدا" کی حمایت کے لئے تجویز کیا گیا ہے جو کلام مقدس کے سراسر خلاف ہے؟

(۱۳) جناب پادری صاحب! ہم اس حقیقت کو خوب سمجھ چکے ہیں کہ آپ خدائے واحد علی الاطلاق کے قائل نہیں نہ ہی اس کی قدرت اور کمال کے متعلق ہم سے متفق ہیں۔ اگر آپ اس کے قائل ہو جائیں تو پھر سے مسلمان نہ ہو جائیں۔ آپ بار بار اپنے اس مسلک کا اعادہ کرنے کی زحمت نہ فرمائیں۔

وحدت واجب الوجود پر بھی اپنے موقعہ پر بحث ہو جائے گی فی الحال الوہیتِ مسیح کا معاملہ تو طے ہونے دیجئے۔ خلطِ مبحث کی کوشش نہ فرمائیں۔ ا۔ الوہیتِ مسیح پر صحیح و معقول مناظرہ کے متعلق پہلے گزارش

کر چکا ہوں۔

(۱۴) پادری صاحب نے فرمایا ہے کہ:۔

(الف) "ہمارے عقیدہ کے مطابق دوسرے خدا کو ماننے کا امکان ہی نہیں رہتا کیونکہ دوسرے خدا کو ماننے کا امکان وہاں ہوگا جہاں خدا تعالیٰ کی وحدتِ عددی مانی جائے گی۔"

(ب) "آپ کسی واحد مطلق ہستی کو کامل الصفات اور قوی الطاقت اور حی القیوم تا ابد ثابت نہیں کر سکتے۔ آپ نے دو معدودوں کی تردید کے طفلانہ شغل سے بے فائدہ کاغذ سیاہ کیا۔"

گویا پادری صاحب کے نزدیک یہ کہنا کہ دوسرا خدا نہیں ایک طفلانہ شغل ہے۔ جہاں یہ کہا جائے گا کہ دوسرا خدا نہیں وہاں یہ تسلیم کر لیا جائے گا کہ خدا تعالیٰ کو وحدتِ عددی حاصل ہے۔ آیئے اب الہامی فلسفہ ملاحظہ فرمایئے خدائے ذوالجلال فرماتا ہے:۔

(۱) "میرے حضور تیرے لئے دوسرا خدا نہ ہو۔" (خروج ۲۰/۳)

(۲) "میرے آگے تیرا کوئی دوسرا خدا نہ ہووے۔" (استثناء ۵/۷)

(۳) "میں تو اپنی شوکت دوسرے کو نہیں دینے کا" (یسعیاہ ۴۸/۱۱)

جناب پادری صاحب ارشاد فرمائیں کہ کتاب مقدس میں "دو معدودوں کی تردید کے طفلانہ شغل" کو کیوں اختیار فرمایا گیا؟ نیز بتلائیں کہ جب دوسرے خدا کی تردید کتاب مقدس نے کی ہے تو کیوں یہ ثابت نہیں ہوتا کہ فی الواقع کتاب مقدس میں خدا تعالیٰ کے لئے "وحدتِ عددی" مانی جاچکی ہے۔

کتنا ظلم ہے کہ پادری صاحب واحد مطلق کامل الصفات، قوی الطاقت، اور الحی القیوم خدا کی ہستی کا انکار کرتے ہیں اور اس ثابت ہستی کا ثبوت طلب کرتے ہیں جو تمام حقائقِ ثابتہ کی جان ہے۔ پادری صاحب! اگر وہ ثابت نہیں تو کچھ بھی ثابت نہیں بس سب فسطہ ہے۔

(۱۵) پادری صاحب لکھتے ہیں کہ "ہمارے مسلمات کے رُو سے خدا تعالیٰ کی ذات و اقانیم و صفات میں عددی وحدت و کثرت کو دخل ہی نہیں" مگر کلیسیائی عقیدہ یوں ہے کہ:۔

"باپ خدا۔ بیٹا خدا۔ اور روح القدس خدا۔ تسپر بھی
تین خدا نہیں بلکہ ایک خدا۔"

اگر عددی وحدت و کثرت کو دخل نہیں تو یہ ایک اور تین کا کیا قصہ ہے، کیا یہ عدد نہیں ہیں؟

(۱۶) ہم نے اپنے پرچہ میں لکھا تھا کہ:۔

"ظاہر ہے کہ دو کا تعین و تشخص ما بہ الامتیاز کے ذریعہ ہی

ہو سکتا ہے اور یہ ما بہ الامتیاز یا کمال ہوگا یا نقص۔ دو میں سے جس میں بھی نقص ثابت ہوا وہ خدا نہیں ہو سکتا کیونکہ خدا ہر نقص سے پاک ہے۔ ناقص خدا نہیں ہو سکتا۔"

پادری صاحب جواب دیتے ہیں کہ "دُو اقنوموں میں ما بہ الامتیاز اُن کا تشخص اور صفاتِ فعل ہیں۔ ما بہ الامتیاز کے متعلق کمال یا نقص کے حصر سے آپ نے عقلِ سلیم کی ہنسی اڑائی ہے۔"

عرض ہے کہ جب "دو اقنوموں" میں تشخص ما بہ الامتیاز کے ذریعہ ہوا اور ان کا ما بہ الامتیاز تشخص ہوا تو اس طرح دَور لازم نہ آئے گا؟ باقی رہا صفاتِ فعل کو ان کا ما بہ الامتیاز قرار دینا۔ تو پھر اس ما بہ الامتیاز کے کمال یا نقص پر سوال سے آپ کی "عقلِ سلیم" کی ہنسی کیوں اُڑتی ہے؟ ہر دو اقنوم کے صفاتِ فعل الگ الگ ہیں اور ان میں امتیاز موجود ہے تو کامل یا ناقص کا سوال قائم ہے اور اگر امتیاز نہ مانا جائے تو "دو اقنوموں" کا لفظ مضحکہ خیز ہے۔

پادری صاحب الزاماً پوچھتے ہیں کہ "آپ بتائیں کہ آپ کے مسلّمہ (یعنی مسلّم۔ ناقل) خدا تعالیٰ کی صفتِ علم و قدرت میں ما بہ الامتیاز ہے یا نہیں؟ الخ"۔ جواباً گذارش ہے کہ آپ کے نزدیک اقنوم محلِ صفات ہوتے ہیں جو سوال محلِ صفات کے متعلق ہوا ہے اسے صفات

پر اُلٹا دینا گریز نہیں تو اور کیا ہے؟ ہمارے ہاں صفاتِ باری تمام کامل ہیں ان میں ادنیٰ و اعلیٰ کا فرق نہیں اور نہ ہی چھوٹے بڑے کا فرق ہے مگر مسیح نے صاف کہا ہے کہ باپ مجھ سے بڑا ہے اور اس طرح اس نے اپنے اور باپ میں ذات وصفات میں چھوٹے بڑے ہونے کا امتیاز تسلیم کیا ہے۔ لہذا کمال و نقص کے فرق کا سوال آپ کے مذہب کے رو سے آپ پر پیدا ہوتا ہے ہم پر پیدا نہیں ہوتا۔ قرآن مجید فرماتا ہے وللہ الاسماء الحسنیٰ۔

پادری صاحب پر واضح رہے کہ لفظ واجب الوجود مضاف مضاف الیہ ہے۔ وجوب اور وجود میں تقابل نہیں۔ وجوب کا تقابل امتناع اور امکان سے ہے لہذا آپ کا سوال پیدا نہیں ہوتا۔

(۱۷) ہمارے پیش کردہ "بارہ الہامی حوالوں" پر آپ کا کہنا ہے کہ "ہمارا اور آپ کا باہم اختلاف خدا تعالیٰ کی وحدت کے لفظ پر نہیں بلکہ وحدت کے مفہوم و مصداق پر ہے" گویا اللہ تعالیٰ کی وحدت کا لفظ تو بائیبل میں موجود ہے مگر "مفہوم و مصداق" کی تعیین نہیں۔ ورنہ اس اختلاف کو بھی بائیبل سے حل کیا جا سکتا ہے۔ ہاں یہ تو فرمائیے کہ جس طرح وحدت کا لفظ موجود ہے اسی طرح کم از کم "تثلیث" کا لفظ بھی موجود ہے؟ جس طرح لکھا ہے:۔

(۱) "سُن لے اے اسرائیل! خداوند ہمارا خدا اکیلا خداوند ہے۔"

(استثناء ۶/۴)

(۲) "وہ تجھ خدائے واحد اور برحق کو، اور یسوع مسیح کو جسے تُو نے بھیجا ہے جانیں۔" (یوحنا ۱۷/۳)

کیا اسی طرح کہیں یہ بھی لکھا ہے کہ "باپ خدا۔ بیٹا خدا۔ روح القدس خدا اور تینوں ایک"۔ اگر نہیں اور ہرگز نہیں تو حق کے ماننے میں کیا عذر ہے۔ لفظ الوہیم بھی تورات کی ساری تاریخ میں خدائے واحد پر اطلاق ہوتا رہا ہے، تعظیماً جمع استعمال ہوا ہے مراد ذات مع الصفات ہے۔

(۱۸) درست ہے کہ ہم پادری صاحب کو اپنے مسلّمات کا پابند نہیں بنا سکتے مگر ایک بات قابلِ تحقیق ہے۔ آپ نے لکھا ہے کہ:۔

"ہم خداوند یسوع مسیح کو آپ کے موہومہ واحد مطلق (پادری صاحب اپنی عالمانہ شان کے باعث واحد مطلق کیلئے ہر جگہ موہومہ بصیغہ مؤنث لکھ رہے ہیں۔ ابو العطاء) کا ظہور نہیں قرار دیتے۔"

اب قابلِ تحقیق بات یہ ہے کہ پھر آپ اسے کس کا ظہور قرار دیتے ہیں؟ کیسے؟ اور کس بنیاد پر؟ ذرا تصریح تو فرمائیں؟

(۱۹) ہم نے پہلے پرچہ میں لکھا تھا کہ ”جب عیسائی پادری یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ حضرت مسیح خدا تھے تو ہمارا حق ہے کہ ان سے مطالبہ کریں کہ وہ حضرت مسیح میں صفاتِ الوہیت ثابت کریں“۔ ہم نے بائیبل کی آیات سے اللہ تعالیٰ کی دس ۱۰ صفات کا ذکر کیا تھا اور پھر یہ ثابت کیا تھا کہ یہ صفات حضرت مسیح ناصری میں پائے نہیں جاتے۔ پس ان کی الوہیت کا دعویٰ محض بے بنیاد دعویٰ ہے۔ جناب پادری صاحب پہلے تو اس بحث میں پڑ گئے ہیں کہ ان دس صفات میں ما بہ الامتیاز کیا ہے؟ گویا آپ محل صفات اقانیم میں ما بہ الامتیاز بتانے سے عجز کا بدلہ لینے کی ناکام کوشش فرما رہے ہیں۔ ع سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجا ست

پھر پادری صاحب بعض صفات کو فعلی اور اضافی قرار دینے کی بحث میں پڑ گئے ہیں اور قدرت و قوّت کو الگ الگ قرار دینے پر بھی ناراض ہیں اور اللہ تعالیٰ کی صفت اَلْقُدُّوْس کو سلبی قرار دینے پر مصر ہیں۔ اللہ تعالیٰ کی صفت حیاۃ (الحیّ ہونے) پر بھی آپ معترض ہو رہے ہیں حالانکہ بائیبل کا واضح حوالہ پیش کیا جا چکا ہے کہ:۔

”خداوند زندہ ہے اور میری چٹان مبارک ہے“ (۲-سموئیل $\frac{22}{47}$)

اس ساری بحث اور انکار و تردّد کا مدّعا کیا ہے۔ پادری صاحب لکھتے

ہیں کہ :۔

"قادیانی مسلّمات کے مفہوم الٰہی کے مطابق ہم سے اثباتِ الوہیت کا مطالبہ سراسر ناجائز ہے۔"

یعنی وہ صفات جو اللہ تعالیٰ کی بائیبل کے رُو سے ثابت ہیں اور جن میں سے دس صفات ہم نے پرچہ اوّل میں ذکر کی تھیں ان صفات کی رُو سے الوہیتِ مسیح کا مطالبہ نہ کیا جائے کیونکہ یہ صفات مسیح میں پائی نہیں جاتیں۔

(۲۰) صفاتِ الٰہی کے خلاف باتیں مسیح میں پائی جاتی ہیں۔ مثلاً خدا خالق ہے، علیم کُل ہے، قادرِ مطلق ہے، مجیب الدعوات ہے وغیرہ۔ مگر انکے خلاف مسیح نہ خالقِ کائنات ہے، نہ علیم کُل ہے، نہ قادر مطلق ہے، نہ مجیب الدعوات ہے وغیرہ وغیرہ۔ ہمارے اس سارے تفصیلی مدلّل بیان کا جواب پادری صاحب یوں دیتے ہیں کہ :۔

"جو باتیں خداوند یسوع مسیح کی طرف منسوب کی گئی ہیں وہ ازلی ابن اللہ سے متعلق نہیں بلکہ اس کے محدود و حادث ظرف ظہور سے۔ پس جبکہ ہم خود اس کی بشریت کے قائل ہیں تو ہمارے مسلّمات کے برخلاف اسے محض خدا فرض کرکے اعتراضات کرنا کیونکر معقول ٹھہر سکتا ہے؟"

گویا اعتراضات بطور واقعہ تو درست ہیں مگر چونکہ پادری صاحب

یسوع مسیح کو محض خدا نہیں مانتے بلکہ خدا اور انسان مانتے ہیں۔ اسلئے اعتراضات معقول نہیں۔ ابن اللہ کے ازلی ظہور کا دعویٰ بے بنیاد ہے اور محدود و حادث ظرف ظہور بھی بے بنیاد ہے لیکن باینہمہ ہم پوچھتے ہیں کہ اگر ازلی ابن اللہ نے انسانی جامہ میں آکر علیم کُل، خالقِ کائنات، مجیب الدعوات، الحی القیوم، المحی الممیت، القدوس، اور مالک الملک وغیرہ صفات سے محروم ہو جانا تھا تو اس تنزل کی ضرورت کیا تھی اور اس مزعوم تجسّم کا ثبوت کیا باقی رہ جاتا ہے؟ محض فرضی افسانہ رہ جاتا ہے اور یہ بات سب بُت پرست اور اوتاروں کو خدا ماننے والے کہہ سکتے ہیں پادری صاحب کی کیا خصوصیت ہے۔ یہ تو شترمرغ والی بات ہوئی کہ جب شتر والی صفات و افعال کا مطالبہ ہوا تو کہہ دیا کہ میں کوئی محض شتر ہوں۔ جب مُرغ والی صفات کا تقاضا کیا گیا تو عذر کر دیا کہ میں کوئی محض مُرغ ہوں۔

پادری صاحب! ذرا غور تو کریں کہ نبی ضرور انسان ہوتا ہے مگر اس میں نبوّت کی صفات نہ ہوں تو اُسے کوئی نبی نہیں مان سکتا۔ وہاں یہ عذر نہیں کیا جا سکتا کہ میں کوئی محض نبی ہوں میں تو انسان بھی ہوں اسی طرح جب یسوع کو خدا مان لیا تو صفاتِ الوہیت کا اس میں پایا جانا ضروری ہے یہ عذر ہرگز قابلِ پذیرائی نہیں کہ ہم اسے محض خدا نہیں

مانتے۔ بھلے مانسو! اگر وہ محض خدا ہوتا تو علیم کُل ہوتا۔ اب تم نے اُسے خدا و انسان قرار دیدیا تو کیا وہ علیم کُل نہ رہے گا؟ الوہیت و انسانیت کے مجموعہ میں الوہیت کو غالب آنا چاہیئے یا انسانیت کو؟ یہ یسوع مسیح کی الوہیت بھی عجیب ہے کہ اس پر انسانیت کے عجز اور کمزوریاں غالب آگئی ہیں۔ فرعون جھوٹا مدعیٔ الوہیت ہے جب اس سے مطالبہ کیا جائے کہ اگر تو خدا ہے تو تجھے علیم کُل ہونا چاہیئے، قادرِ مطلق ہونا چاہیئے، الحیّ القیوم ہونا چاہیئے تو وہ کہہ دے کہ نہیں صاحب مَیں کوئی محض خدا ہوں میں تو خدا اور انسان ہوں اسلئے آپ لوگوں کے اعتراضات میرے مسلّمات کے برخلاف اور غیر معقول ہیں۔ پادری عبدالحق صاحب بتائیں کہ اگر اُن کا موقف درست ہے تو فرعون کا جواب کیوں غلط ہے؟

سچ یہی ہے کہ ؏

عذرِ نامعقول ثابت میکند الزام را

(۲۱) پادری صاحب نے صفات عشرہ الٰہیہ کے سلسلہ میں ہمارے استدلالات کے جو جواب دیئے ہیں ان پر نظر بھی ضروری ہے۔

استدلال اوّل۔ مسیح نے ایک ذرہ بھی پیدا نہیں کیا بلکہ خود مخلوق ہے۔

جواب پادری۔ "خدا تعالیٰ نے جو کچھ خلق کیا وہ سب کلام اور بیٹے کے وسیلہ سے خلق کیا۔"

جواب الجواب - اِس صورت میں اللہ تعالیٰ ہی خالق ٹھہرا۔ "اس نے کہا اور وہ ہوگیا اس نے فرمایا اور وہ برپا ہوا۔" (زبور ۳۳/۹)

خدا کے قول کُن سے سب کچھ پیدا ہوا ہے۔ بیٹے کی خالقیت بلکہ اس کی ہستی کا بھی کوئی ثبوت نہیں ہے۔

آیت کریمہ انی اخلق لکم من الطین کھیئۃ الطیر فانفخ فیہ فیکون طیراً باذن اللہ میں روحانی پرواز کرنے والے پرندے بنانے کا ذکر ہے مادی پرندے مراد نہیں لفظ خلق بہت وسیع معنے رکھتا ہے۔ اُتخلقون افکاً بھی زیرِ نظر ہے۔ قرآن مجید نے باطل معبودوں کو چیلنج کیا ہے کہ وہ اپنی کوئی مخلوق پیش تو کریں۔ باقی روحانی پرندے یعنی جماعتِ صالحین پیدا کرنے میں ہر نبی واسطۂ تخلیقِ روحانی ہوتا ہے حضرت مسیح کی کوئی خصوصیت نہیں۔ پس آپ کے دعویٰ اور دلیل میں تقریب تام نہیں۔

استدلال دوم - اللہ تعالیٰ علیم کُل ہے مسیح علیم کُل نہیں ہیں۔

جواب پادری صاحب - "یسوع مسیح نے قیامت کے تحقق خارجی کے انفعالی علم سے انکار کیا نہ کہ اس کے فعلی اور حضوری علم سے۔"

جواب الجواب - یسوع کے الفاظ آپ کی خود ساختہ تاویل کے مؤید نہیں ہیں۔ انہوں نے فرمایا تھا "اس دن اور اس گھڑی کی بابت کوئی نہیں

جانتا نہ آسمان کے فرشتے نہ بیٹا مگر صرف باپ۔" (متی ۲۴/۳۶)
یعنی جو علم اللہ تعالیٰ کو ہے وہ مسیح کو نہیں ہے۔ اور یہی ہماری دلیل ہے۔ اگر بالفرض مسیح کے لئے انفعالی علم کی نفی ہے جو خدا کو بہر حال حاصل ہے تب بھی بات وہیں رہتی ہے۔ یعنی خدا جانتا ہے مسیح نہیں جانتا۔ خدا کو انفعالی علم حاصل ہے اور مسیح کو بقول پادری صاحب انفعالی علم حاصل نہیں پس وہ خدا نہیں۔

آیت قرآنی ولمّا یعلم اللہ الّذین جاھدوا منکم (آل عمران) میں عَلِمَ بمعنی مَیَّزَ ہے یعنی اللہ تعالیٰ نے ابھی مجاہدین اور غیر مجاہدین کو الگ الگ نہیں کیا۔ لہذا کوئی اشکال نہیں۔

جواب پادری ۲/م "مرقس ۱۱/۱۲-۱۳۔ نہ خداوند یسوع مسیح نے اپنی لاعلمی کا اقرار کیا اور نہ مقدس مرقس کو اس واقعہ کے بیان کرنے کی یہ غائت ہی ملحوظ ہو سکتی ہے"۔

جواب الجواب۔ مرقس میں لکھا ہے کہ "اس کو بھوک لگی اور دور سے انجیر کا ایک درخت جس میں پتے تھے دیکھ کر گیا کہ شاید اس میں کچھ پائے مگر جب اسکے پاس پہنچا تو پتوں کے سوا کچھ نہ پایا"۔

اس وضاحت کے بعد یسوع مسیح کی لاعلمی کے اقرار کی ضرورت نہیں۔ مرقس کی نیت بھی زیر بحث لانے کی ضرورت نہیں یہ تو اظہر من الشمس ہے کہ مسیح اپنی بھوک دور کرنے کے لئے انجیر سے پھل لینے کے لئے

گئے مگر وہاں پھل نہ تھا۔ اس سے مسیح کی لاعلمی واضح و عیاں ہے۔

پادری صاحب نے جز بز ہوتے ہوئے فرمایا ہے کہ انجیر کے درخت سے مراد اسرائیل کا گھرانا ہے جس پر مسیح نے لعنت کی تھی قرآن نے بھی کہا ہے لعن الذین کفروا من بنی اسرائیل علیٰ لسان داؤد و عیسی بن مریم۔ ہمیں جناب پادری صاحب کی اس تاویل سے اتفاق ہے۔ چلئے ہم مان لیتے ہیں کہ "انجیر کی مثال یہودی قوم پر تھی" مگر جس طرح آپ کو یہاں تاویل سوجھی ہے اسی طرح آپ ابن اللہ کی بھی اس تاویل کو قبول کر لیں جو خود مسیح نے کی تھی یعنی محبوبِ خدا۔

دوسری عرض یہ ہے کہ لاعلمی کا مسئلہ تو پھر بھی حل نہ ہوا کیونکہ مسیح کو بھوک لگی یعنی ان میں یہودی قوم کی ہدایت کی شدید خواہش پیدا ہوئی، وہ یہودیوں کے پاس گئے، انہیں دعوت دی مگر یہودی ایمان نہ لائے۔ مسیح نے اسرائیل کے گھرانے پر لعنت کر دی۔ اس سے بھی ثابت ہے کہ مسیح کو یہ علم نہ تھا کہ یہودی ہدایت پائیں گے یا نہیں؟ پس لاعلمی کا استدلال اس تاویل کے باوجود بھی درست ہے۔

اصل عبارت میں بھی لفظ "شائد" لاعلمی کی دلیل ہے۔

لاعلمی کے دو[۲] مزید حوالے پیش ہیں۔ مسیح نے فرمایا تھا کہ :-

(۱) "ابن آدم اپنے باپ کے جلال میں اپنے فرشتوں کے ساتھ
آئے گا۔ اس وقت ہر ایک کو اس کے کاموں کے موافق
بدلہ دیگا۔ میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جو یہاں کھڑے ہیں
ان میں سے بعض ایسے ہیں کہ جب تک ابن آدم کو اس کی
بادشاہت میں آتے ہوئے نہ دیکھ لیں گے موت کا مزہ
ہرگز نہ چکھیں گے۔" (متی $\frac{۱۶}{۲۷-۲۸}$)

فرمائیے کیا وہ سب جو وہاں کھڑے تھے ابھی تک زندہ ہیں؟ اگر
نہیں اور ہرگز نہیں تو ظاہر ہے کہ مسیح کو یہ علم نہ تھا۔

(۲) بارہ حواریوں کو کہتے ہیں "میں تم سے سچ کہتا ہوں کہ جب
ابن آدم نئی پیدائش میں اپنے جلال کے تخت پر بیٹھے گا تو تم
بھی جو میرے پیچھے ہو لئے ہو بارہ تختوں پر بیٹھ کر اسرائیل
کے بارہ قبیلوں کا انصاف کرو گے۔" (متی $\frac{۱۹}{۲۸}$)

اگر مسیح کو یہوداہ اسکریوطی کے مرتد ہو جانے کا علم ہوتا تو وہ یوں
نہ فرماتے۔

پس مسیح کو ذاتی علم حاصل نہ تھا۔ حالانکہ خدا وہ ہے جو علیم کُل
ہے اور جسے ذاتی علم حاصل ہوتا ہے۔ پس مسیح کی الوہیت کا خیال
سراسر باطل ہے۔

استدلال سوم۔ حضرت مسیح اللہ تعالیٰ سے دُعائیں مانگتے تھے (متی ۱۴/۲۳، ۲۶/۳۹، مرقس ۱۴/۳۵-۳۴، لوقا ۵/۱۶، لوقا ۶/۱۲، لوقا ۲۲/۴۴، عبرانیوں ۵/۷) پس مسیح خدا نہ تھا خدا وہ ہے جس سے خود مسیح بھی دعا کیا کرتا تھا۔

جواب پادری:۔ "یسوع مسیح کی بشریت کے عقیدہ کے ساتھ اسے دُعا سے مستغنی ٹھہرانا قابلِ اعتراض ہوگا نہ کہ اس کا دُعا مانگنا لیکن ابن اللہ کی حیثیت میں وہ دعائیں قبول کرنے والا بھی ہے۔"

جواب الجواب۔ گویا خود ہی دُعائیں کرتا تھا اور خود ہی سُنتا تھا۔ اس سے زیادہ بودا اور پھسپھسا جواب اَور کیا ہو سکتا ہے۔ بائبل میں تو لکھا ہے کہ مسیح نے "اسی سے دُعائیں اور التجائیں کیں جو اُس کو موت سے بچا سکتا تھا" (عبرانیوں ۵/۷) یعنی دُعائیں سُننے والا قادر خدا ہے مسیح صرف دُعائیں کرنے والا تھا۔ یہ حضرت مسیح کی الوہیت کی تردید پر ایک قاطع برہان ہے۔

استدلال چہارم۔ خدا تعالیٰ حافظ ہے وہ نہ سوتا ہے نہ اونگھتا ہے (زبور ۱۲۱/۴) مگر یسوع ایسے نہ تھے۔ وہ ایسی گہری نیند سوتے تھے کہ شاگرد اُن کو جگاتے تھے۔ (مرقس ۵/۳۸-۲۷)

جواب پادری:۔ "وہ لوازماتِ بشری سے مستغنی نہ تھا۔"

"اب یقیناً خداوند یسوع مسیح کو نیند کا محتاج نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔"

جوابُ الجواب ۔ جب یسوع مسیحؑ میں لوازماتِ بشری پائے جاتے تھے اور صفاتِ باری تعالیٰ نہیں پائے جاتے تھے تو یہی دلیل ہے کہ وہ خدا نہیں تھا بشر تھا ۔ اگر موت کے بعد وہ نیند کا محتاج نہیں رہا تو کیا موت کے بعد اُس کی الوہیت شروع ہوئی ہے ؟ بہرحال الوہیتِ مسیحؑ کا اثبات ناممکن ہے ۔

جناب پادری صاحب پوچھتے ہیں کہ " اگر نہ سونا الوہیت کا خاصہ ہے تو بعض غیرِ خدا جو سونے کی حاجت نہیں رکھتے وہ اس الٰہی صفت سے متصف ہوں گے مثلاً پتھر ، فرشتے اور ابلیس " ۔
جواباً گذارش ہے کہ خدا کی اس خوبی اور وصف کا ذکر بائبل نے کیا ہے ، یہ اعتراض اس پر وارد ہوگا ۔ ذی حیات کے لئے یقظہ یا عدم النوم خوبی ہوگی اور اسے لیس بنائم قرار دیا جائیگا مگر پتھر کے متعلق یہ سوال مغالطہ قرار پائے گا کیونکہ پتھر لیس من شانہ ان ینام " کا مصداق ہے اسلئے اسے لیس بنائم نہیں کہہ سکتے ۔ ابلیس اور فرشتے بھی مقررہ مشینوں کی طرح ہیں اسلئے ان کے لئے بھی لیس بنائم کا اطلاق درست نہیں ہوگا ۔ البتہ ان کی مخلوقی ذات کے لحاظ سے حدیثِ نبویؐ میں ملائکۃ اللیل والنھار یتعاقبون میں اسلامی نظریہ

واضح ہے۔ پادری صاحب کے سامنے دلیل دی گئی ہے کہ خدا کی صفت یہ ہے کہ وہ کبھی نہیں سوتا ہمیشہ بیدار رہتا ہے کیونکہ وہ حافظِ کائنات ہے۔ اگر مسیح خدا ہے تو اُسے اِس خوبی کا مالک ہونا چاہیئے تھا مگر وہ ایسا نہ تھا۔ پس بالبداہت ثابت ہے کہ وہ خدا نہ تھا۔

استدلال پنجم۔ مسیح نے کہا تھا کہ اپنے دائیں بائیں کسی کو بٹھانا میرا کام نہیں مگر جن کے لئے میرے باپ کی طرف سے تیار کیا گیا انہیں کے لئے ہے۔" (متی ۲۰/۲۳) اس سے استدلال کیا گیا تھا کہ مسیح کسی کو بجز امرالٰہی اپنے دائیں بائیں بٹھانے کا بھی اختیار نہیں رکھتا وہ اللہ کا وفادار خادم ہے اختیار و قدرت کا خود مالک نہیں ہے۔

جواب پادری۔ یہ معنے کرنا احمدیوں کی تحریف ہے۔ "میرا کام نہیں" سے عدمِ اختیار کا اظہار نہیں ہوتا۔ یوحنا ۵/۲۲ میں ہے "باپ کسی کی عدالت بھی نہیں کرتا۔"

جواب الجواب۔ "میرا کام نہیں" کے بعد کے فقرہ پر بھی غور فرمائیں کہ یہ ان کو ملیگا جن کے لئے خدا نے تیار کیا ہے۔ جب یہ مسیح کا کام نہیں تو صاف ظاہر ہے کہ اسے اس پر اختیار بھی نہیں۔ یوحنا ۵/۲۲ میں خدا کی طرف سے

عدالت سپرد کرنے کا ذکر ہے۔ گویا تصرّف و اختیار بالذات اللہ تعالیٰ کے پاس ہے مسیح صرف اس کا خادم ہے جو اُسکے حکم کی تعمیل کر رہا ہے۔ یہی معنے دائیں طرف بیٹھنے کے ہیں۔ اور ظاہر ہے کہ جو خادم اور مطیع ہے وہ خدا نہیں۔

استدلال ششم۔ خداوند زندہ ہے (۲ سموئیل ۲۲/۴۷) مسیح پر موت آگئی (متی ۲۷/۵۰) استدلال ظاہر ہے۔

جواب پادری۔ "احمدی علماء کو خداوند یسوع مسیح کے پیدا ہونے پر تو اعتراض نہیں مگر مرنے پر اعتراض ہے . . . . یسوع مسیح کی بشریت پر موت آئی تو اس سے اُس کی الوہیت پر کیا اعتراض ؟"

جواب الجواب۔ ہمیں نہ مسیح کے مرنے پر اعتراض ہے نہ پیدا ہونے پر۔ ہم تو اُن کی دونوں حالتوں کو اُن کی طرف منسوب کردہ الوہیت کے ابطال کے لئے پیش کرتے ہیں۔ جب مسیح میں بشریت اور الوہیت کے ہونے کا دعویٰ ہی دعویٰ ہے کوئی مسلّمہ نہیں تو اس کو دلیل بنانا مصادرہ علی المطلوب نہیں تو اور کیا ہے ؟

استدلال ہفتم۔ حزقیل ۲۸/۹ میں لکھا ہے "تُو اپنے قتل کرنے والے کے ہاتھ میں الٰہ نہیں بلکہ انسان ہے"۔ یسوع کا دشمنوں کے ہاتھوں مقتول ہونا پادری صاحب کو مسلّم ہے۔ پس مسیح خدا نہیں صرف انسان ہے۔

جواب پادری۔ "جس جسمانی زندگی سے خداوند یسوع مسیح کی الوہیت متعلق تھی وہ واقعی دشمنوں کے قبضہ میں آئی۔ اگر یہ الوہیت کی کمزوری کی دلیل ہے اور خدا کی قدرت سے مراد جسمانی قوت و غلبہ ہے تو چونکہ دنیا میں نیکی ہمیشہ مغلوب اور بدی غالب رہتی ہے اسلئے نیکی کمزوری اور بدی قدرت ٹھہرے گی اور خدا تعالیٰ چونکہ محض نیک ہے اس میں بدی قطعاً نہیں اسلئے وہ بھی محلِ ضعف ٹھہرا۔"

جواب الجواب۔ مقتول ہونا ابطالِ الوہیتِ مسیح کی دلیل ہے پس الوہیتِ مسیح باطل ہے۔ خدا کو محلِ ضعف ماننا پادری صاحب کا ہی خاصہ ہے اور یہ سب یسوع کو خدا قرار دینے کے کرشمے ہیں ضعف الطالب والمطلوب۔

انبیاء کا معاملہ بالکل الگ ہے، وہ دلائل کی رُو سے فی الفور غالب آتے ہیں۔ اسی لئے مسیح نے کہا تھا کہ "مَیں دنیا پر غالب آیا ہوں۔" اور آخر کار اللہ تعالیٰ ان کے متبعین کو ظاہری غلبہ بھی دیتا ہے۔ یہ سب کچھ تو نبیوں کا حال ہے۔ مدعیٔ الوہیت کے متعلق تو حزقیل ۲۸/۹ میں صاف لکھا ہے کہ اس کا قتل ہو جانا اس کے دعویٔ الوہیت کے بطلان پر شاہدِ ناطق ہے۔

استدلال ہشتم۔ خدا تعالیٰ کی صفت القویّ (طاقتور) ہے مگر یسوع نے کمزوری سے ایلی ایلی لما سبقتانی کہتے ہوئے جان دی لہذا وہ خدا نہیں۔

جواب پادری۔ "ایلی ایلی زبور ۲۲/۱ میں ہے۔ اس زبور میں مسیح کی صلیبی موت کی پیشگوئی مذکور ہے۔ اگر یہ کمزوری پر دال ہے تو مقدس داؤد جس کا یہ زبور ہے اس کی کمزوری کا اظہار ہے۔"

جواب الجواب۔ سوال تو مسیح کی طاقت یا کمزوری کا تھا مگر آپ مقدس داؤد کی کمزوری کا ذکر فرما رہے ہیں۔ کیوں صاف اعتراف سے گریز ہے۔ یہ اتنی واضح حقیقت ہے کہ پادری عبدالحق صاحب کے چھپانے سے بھی چھپ نہیں سکتی۔

استدلال نہم۔ بائیبل میں خدا کی شان میں آیا ہے "خداوند مارتا ہے اور جلاتا ہے" (اسموئیل ۲/۶) دوسری طرف لکھا ہے کہ یسوع کو "خدا نے مُردوں میں سے جلایا۔" (اعمال ۲/۲۴)

پس مسیح کو خدا قرار دینا بدیہی البطلان ہے۔

جواب پادری۔ "یہ امر اس کی قدرت پر دال ہے نہ کہ کمزوری پر..... اگر یہ مانا جائے کہ موت کا صدور خدائے حیّ القیوم سے ہوا تو علّت و معلول میں تناقض لازم آئے گا۔"

جواب الجواب۔ بائیبل کچھ کہتی رہے مگر پادری صاحب علّت و معلول میں ہی پھنسے

رہیں گے۔ پڑھنے والے پادری صاحب کی بے بسی کا اندازہ لگا سکیں گے۔ دلیل کیا ہے اور جواب کیا ہے؟ تعجب ہے کہ پادری صاحب ہمیں انجیل کے غیر مسلّمہ حوالہ جات سے یہ منوانا چاہتے ہیں کہ یسوع مسیح جو مر گیا تھا اور خود مُردوں میں سے زندہ نہ ہو سکا تھا بلکہ خدا کے زندہ کرنے سے زندہ ہُوا تھا وہ اب مُردوں کو زندہ کر رہا ہے۔ کیا ہی عجیب استدلال ہے۔

استدلال دہم۔ مسیح نے فرمایا "تُو مجھے کیوں نیک کہتا ہے کوئی نیک نہیں مگر ایک یعنی خدا" (لوقا ۱۸/۱۹) متی میں ہے "نیک تو ایک ہی ہے"۔ جب مسیح خدا کو ہی نیک ٹھہراتے ہیں اور اپنے نیک ہونے کا انکار کرتے ہیں تو اس سے اُن کی الوہیت کا باطل ہونا واضح ہے۔

جواب پادری۔ "یہ حوالہ جو دیگر مخالفینِ مسیح سے احمدی علماء نے نقل کیا ہے اس جملہ استفہامیہ سے خداوند یسوع مسیح کے نیک ہونے سے انکار اخذ کرنا واک چھل ہے"۔

جواب الجواب۔ ہم نے تو یہ حوالہ لوقا سے نقل کیا ہے۔ پادری صاحب نے کب سے لوقا کو مخالفینِ مسیح میں شمار کرنا شروع کر دیا ہے؟ ہمارا استدلال پہلے حصہ یعنی استفہامیہ جملہ سے نہیں بلکہ اس کے جواب میں حضرت

مسیحؑ نے جو جملہ خبریہ (کوئی نیک نہیں مگر ایک یعنی خدا) فرمایا اس سے ہمارا استدلال ہے۔ مسیحؑ نے اللہ تعالیٰ کو ذاتی طور پر قدرت اور نیکی کا سرچشمہ قرار دیا ہے اور اپنے ایسا ہونے کا انکار فرمایا ہے اس سے حضرت مسیحؑ کی الوہیت تو باطل ہوتی ہے مگر اس سے ان کی نبیوں والی عصمت پر کوئی دھبہ نہیں آتا۔ کیونکہ انبیاء کی عصمت اللہ تعالیٰ کے فضل سے ہوتی ہے بالواسطہ ہوتی ہے ما ابرّئُ نفسی انّ النفس لامّارۃ بالسّوء کو پیش کر کے آپ نے پھر ایک مرتبہ واک چھل سے کام لیا ہے کیونکہ اس کے ساتھ کا حصہ الّا ما رحم ربّی درج نہیں کیا جس سے حضرت یوسفؑ کی بفضلہٖ و برحمتہٖ تعالیٰ عصمت ثابت ہے۔

ناظرین کرام! بائیبل سے صفات الٰہیہ کے دس حوالہ جات کے متعلق پادری صاحب کے جوابات یا عذرات پر ہم اجمالی بحث کر چکے ہیں آپ خود اندازہ فرمالیں کہ آیا یہ عذرات کچھ وزن رکھتے ہیں۔

وما علینا الّا البلاغ

المبین

چھٹا حصّہ

پادری صاحب کے چند اور اشکالات کے جوابات

(۱) پادری صاحب لکھتے ہیں کہ :-

"اگر یونانی حکماء بقول شما ابن اللہ کے تجسّم کے قائل ہیں تو اس سے انجیل مقدس کے بیانات کی تصدیق ہو گی نہ کہ تکذیب؟"

جناب عالی! اگر یوں بھی ہوتا تو "انجیل مقدس کے بیانات" مشرک یونانیوں کی صرف تقلید اور نقل ہوتے۔ تصدیق و تکذیب کا کیا سوال تھا؟ ہم نے تو یہ نہیں کہا کہ یونانی حکماء ابن اللہ کے تجسّم کے قائل تھے۔ یہ تو پادری صاحب کا منگھڑت بیان ہے۔ ہم جو کہتے ہیں وہ یہ ہے کہ تاریخ سے ثابت ہے کہ بابلیوں، ہندوؤں، اور یونانیوں میں "تری مورتی" کا عقیدہ پایا جاتا تھا۔ "یونان میں بھی ایک تثلیث کی پرستش ہوتی تھی"۔ اوّلین عیسائیوں میں سے جو دراصل توحید پرست تھے۔ بعض کمزوروں نے یونانیوں کی تقلید کر کے ان کی تثلیث کے غلط عقیدہ کو اپنا لیا تھا اور مسیح کو خدا کہنے لگ گئے تھے۔ اصل توحید کا عقیدہ بنیادی عقیدہ ہے جو اساسی طور پر سب اقوام میں پایا جاتا ہے۔

(۲) حضرت مسیحؑ کی زندگی میں نبیوں ایسی غیر معمولی ندرت تو مسلّم ہے۔ انکار تو صرف خدائی زندگی کا ہے جس کا کوئی ثبوت پادری صاحب پیش نہیں کر سکتے۔ سچ ہے کہ مسیح نے "ایک حقیر سی جماعت" کے سامنے اپنے اور اپنی جماعت کے عروج کی پیشگوئی باذن الٰہی بیان کی تھی۔ جیسا کہ جاعل الّذین اتّبعوک فوق الّذین کفروا میں مذکور ہے اور یہ پیشگوئی باقی انبیاء کی پیشگوئیوں کی طرح ضرور پوری ہوئی مگر یہ حضرت مسیحؑ کی الوہیت کی دلیل نہیں۔ ان کی نبوت اور رسالت کی دلیل ہے جو ہمیں مسلّم ہے۔

(۳) پادری صاحب نے جماعتِ احمدیہ کو "مٹھی بھر" کہہ کر فرمایا ہے کہ:۔

"موجودہ زمانہ کی انسانی اقوام کی ظاہری شان و شوکت کے مقابل وہ خود کسی کھیت کی مولی ہیں۔"

پادری صاحب! بلاشبہ ہم مٹھی بھر ہیں بلکہ اس سے بھی کمتر۔ بلاشبہ ہم مادہ پرست اقوام کے مقابلہ میں کسی کھیت کی مولی نہیں مگر یہ بھی ایک صداقت ہے کہ جس خدا نے دو ہزار سال قبل حضرت مسیح ناصری علیہ السلام کے منہ سے "ایک حقیر سی جماعت" کے لئے اس بشارت کا اعلان کرایا تھا کہ جاعل الّذین اتّبعوک فوق الّذین کفروا الیٰ یوم القیامۃ۔ اسی خدا نے ہاں۔ ہاں اسی الحیّ القیّوم خدا نے آج سیدنا

حضرت مسیح موعود علیہ السلام کی زبانِ مبارک سے ہم حقیر اور دُنیا کی نظروں میں ذلیل مُٹھی بھر انسانوں کو یہ بشارت دی ہے کہ :-

(الف) "مَیں اِس جماعت کو جو تیرے پَیرو ہیں قیامت تک دوسروں پر غلبہ دوں گا۔" (الوصیت صفحہ ۶)

(ب) "قریب ہے کہ سب مِلّتیں ہلاک ہوں گی مگر اسلام۔ اور سب حربے ٹوٹ جائیں گے مگر اسلام کا آسمانی حربہ کہ وہ نہ ٹوٹے گا نہ کُند ہو گا جب تک دجالیت کو پاش پاش نہ کر دے۔ وہ وقت قریب ہے کہ خدا کی سچی توحید جس کو بیابانوں کے رہنے والے اور تمام تعلیموں سے غافل بھی اپنے اندر محسوس کرتے ہیں ملکوں میں پھیلے گی۔" (تذکرہ صفحہ ۲۹۹)

(ج) "اور ابھی تیسری صدی آج کے دن سے پوری نہ ہو گی کہ عیسیٰؑ کا انتظار کرنے والے کیا مسلمان اور کیا عیسائی سخت نااُمید اور بدظن ہو کر اس جھوٹے عقیدہ کو چھوڑیں گے اور دُنیا میں ایک ہی مذہب ہو گا اور ایک ہی پیشوا۔ مَیں تو ایک تخم ریزی کرنے آیا ہوں سو میرے ہاتھ سے وہ تخم بویا گیا اور اب

وہ بڑھے گا اور پھولے گا اور کوئی نہیں جو اس کو روک سکے۔" (تذکرۃ الشہادتین مطبوعہ ۱۹۰۳ء)

یہ نوشتے بھی پورے ہونگے اور ضرور پورے ہونگے۔ اے کاش! آپ دنیا میں روحانی انقلاب کے آثار کو دیکھ کر مستقبل کو بھانپ سکتے۔ بہرحال ہم یقین سے لبریز ہیں آپ کی ہنسی و تمسخر ہمارے لئے عجیب نہیں۔ اللہ کا فضل عظیم ہے کہ مسیحِ محمدی کی یہ جماعت ہر رنگ میں مسیح ناصری کی جماعت سے عرصہ کے لحاظ سے کسی پہلو سے کم نہیں بلکہ زیادہ ہی ہے۔ والحمد للہ رب العالمین۔

(۴) ہم نے اپنے پرچہ میں بائیبل کے بیسیوں واضح حوالہ جات ذکر کئے تھے کہ مختلف انسانوں کو خدا کے بیٹے قرار دیا گیا ہے۔ ہم نے لکھا تھا کہ:-

"حقیقت میں نہ اللہ تعالیٰ ماں یا باپ ہے اور نہ ہی آدمزاد حقیقی طور پر اس کے بیٹے ہیں۔"

مگر پادری صاحب اس بات کو جانتے ہوئے کہ جب ایک لفظ کے حقیقی معنے متعذر ہوں تو اس کے مجازی معنے لئے جاتے ہیں۔ "مجازی ممتنع الوجود" کا لفظ بول کر "تجاہلِ عارفانہ" سے کام لے رہے ہیں۔

(۵) ہم نے لکھا تھا کہ:-

"یہودی بلاشبہ مسیح کی آمد کے قائل تھے مگر وہ کسی ایسے مسیح کے قائل نہ تھے جو خدائی کا دعویدار ہوگا۔"

پادری صاحب اِسے "دعویٰ بے بنیاد" کہہ کر پوچھتے ہیں کہ:۔

"یہود کے اجماع کی سند جس کتاب میں آپ کو ملی۔ وہ کتاب قیمتاً یا عاریۃً ہمارے پاس بھیج دیں ورنہ یہ بے بسی کے عالم میں دروغ بے فروغ کا سہارا متصور ہوگا۔"

ہم چاہتے تو یہی ہیں کہ حضرت مسیح کے قول کو بطور سند پیش کریں مگر ڈر ہے کہ آپ کہہ دیں گے کہ وہ "کتاب" دکھاؤ۔ تاہم عرض ہے کہ جب یہود نے مسیح پر یہ الزام لگایا تھا کہ تُو انسان ہو کر خدا بنتا ہے جو کفر ہے تو حضرت مسیح نے اُن کو اور جواب تو دیئے مگر یہ آسان راستہ اختیار نہ کیا کہ نادانو! تمہارا اپنا اجماع ہے کہ آنیوالا مسیح خدا ہوگا اور میں جب مسیح ہوں تو میرے اس دعویٰ پر تعجب کیوں کرتے ہو؟ ہمارا یہ استدلال ذرا لطیف ہے غالباً پادری صاحب اپنے جوشِ نفس کے باعث اسے قبول نہ فرمائیں گے۔ اسلئے لیجیئے سیدھا اُن کے گھر کا مسلّمہ حوالہ درج کر دیتے ہیں:۔

I۔ پادری ٹھاکرداس صاحب تثلیثی پادری لکھتے ہیں:۔

"نبی نے زبور ۴۵: ۶ میں مسیح بادشاہ کے حق میں یہ پیشگوئی کی اور اگرچہ یہودی مسیح بادشاہ میں خدائی کا گمان نہ رکھتے تھے تاہم پولوس نے اس خبر کو مسیح بادشاہ کی شانِ خدائی کیلئے عبرانیوں کے سامنے پیش کیا۔" (رسالہ مسیح عمانوایل ص۳)

II۔ پادری اکبر مسیح صاحب لکھتے ہیں کہ:۔

"یہ امر تو ظاہر ہے کہ یہودی اپنے مسیح کی الوہیت کے قائل ہرگز نہ تھے اور نہ ہیں۔ ڈاکٹر ڈولک مسیح کے زمانہ تک یہودیوں کے خیالات کی نسبت فرماتے ہیں:۔ حقیقی الٰہی ماہیت مسیح کی تسلیم نہیں کی گئی تھی" (انٹروڈکشن باب دوم آخر) بشپ ورڈز ورتھ فرماتے ہیں:۔ "موافق تصورات یہود کے مسیح کوئی الٰہی شخص ہونے والا نہ تھا۔ یقیناً وہ خدا کا بیٹا مسیحی مراد کے موافق نہ تھا۔ (سمتھ بائیبل ڈکشنری۔ خدا کا بیٹا)"

(رسالہ الوہیت مسیح و تثلیث کی تنقیح صہ ۲۲ مصنفہ پادری اکبر مسیح مطبوعہ ۱۸۹۲ء)

کیا اب ہم یقین کریں کہ پادری عبدالحق صاحب "مزید سند" کا مطالبہ نہ کرینگے

جہاں تک موجودہ یہودی قوم کے عقیدہ کا سوال ہے مَیں خود فلسطین میں ان لوگوں کی زبان سے یہ بات سُن آیا ہوں۔

(۶) ہم نے لکھا تھا کہ:۔

"وہ (یہودی) استقراء سے بھی جانتے تھے کہ انسانوں کی اصلاح کے لئے ہمیشہ سے انسان ہی نبی اور رسول ہو کر

آتے رہے ہیں کبھی خدا خود انسانی جامہ میں نہیں آیا اسلئے وہ آنے
والے موعود کو نبی ہی سمجھتے تھے۔"

پادری صاحب نے اپنے متکبرانہ لہجہ میں جواب دیا ہے کہ:۔

"استقرار کا لفظ احمدی علماء محض مرزا صاحب قادیانی کی علمی غلطی کی تقلید کے طور پر بار بار دُہراتے ہیں ورنہ استقراء سے مراد جزئیات کے مشاہدہ سے کلی پر استدلال ہے پس استقراء جو جزئیات کے مشاہدہ اور تصفح سے مستنبط ہوتا ہے اسکو نبوت جیسے فوق النظام سے دُور کا واسطہ بھی نہیں جو ہر طرح کے مشاہدہ اور تصفح کی پہنچ سے بلکہ عقل کی حد سے بھی پرے ہے! ور جس کا اعتقادِ جازم مطابقِ واقع صرف ایمان بالغیب کے طور پر ہی ممکن ہے۔"

اہلِ منطق نے استقرار کی تعریف میں لکھا ہے:"الاستقراء ھو الحکم علی کلی بتتبع اکثر الجزئیات"۔پادری صاحب استقراء استدلال کو کہتے ہیں۔ زمانہ کی کتنی ستم ظریفی ہے کہ جو شخص حکم اور استدلال میں فرق نہیں کر سکتا وہ بھی اس زمانہ کے سلطان المتکلمین کی "علمی غلطی" نکالنے کا مدعی بن رہا ہے۔

پادری صاحب! نبوت کو تو آپ "فوق النظر" کہہ لیں مگر کیا انبیاء علیہم السلام جزئیات نہ تھے۔ جن کے حالات کے تتبع سے کلی پر حکم لگ سکتا ہے۔ پس آپ نے یہ کیا کہہ دیا کہ استقراء کا اس جگہ دخل نہیں؟

ایک بات آپ نے خوب فرمائی ہے آپ امرِ نبوت کو تو "عقل کی حد سے پرے" قرار دیتے ہیں یعنی اس میں عقلی بحث نہیں ہو سکتی۔ مگر اللہ تعالیٰ کی ذات اور اس کی توحید کو ماننے کے لئے تیار نہیں جب تک آپ اپنی خود ساختہ "عقلیات" کے پیمانہ سے اسے ناپ نہ لیں۔ کیا آپ اپنی اِس بھول پر بھی غور کریں گے؟

(۷) ہم نے الوہیتِ مسیح کے دعویٰ کی انجیلی اور لغوی حوالوں سے مدلّل تردید کرتے ہوئے لکھا تھا کہ:۔

"اناجیل سے حضرتِ مسیح کا اگر کوئی دعویٰ ثابت ہو سکتا ہے تو وہ صرف نبی اور رسول ہے اور بظاہر و باہر ہے کہ جو نبوت کا مدعی ہو گا وہ الوہیت کا دعویدار نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ نبی خدا سے بکثرت غیب کی خبریں پانے والے کو کہتے ہیں اور ظاہر ہے کہ خدا اور خدا سے غیب کی خبریں پانے والا ایک نہیں ہو سکتا۔"

یہ اتنی واضح اور لاجواب دلیل ہے کہ صرف اس ایک دلیل سے عیسائیت اور اسلام میں فیصلہ ہو سکتا ہے لیکن پادری صاحب کا اندازِ جواب ملاحظہ فرمائیں۔ لکھتے ہیں:۔

"یہ دعویٰ بھی کلامِ مقدس سے ناواقفی یا دیدہ ودانستہ

غلط بیانی پر مبنی ہے۔"

اس ارشاد کے بعد لکھتے ہیں کہ "ہم اناجیل سے خداوند یسوع مسیح کے چند دعاوی ہی بغیر کسی تاویل و تشریح کے پیش کرتے ہیں اور اگر احمدی علماء انہی دعاوی کے مطابق ہی آنخداوند کی شان کو تسلیم کر لیں تو ہم ان سے زیادہ کا مطالبہ نہ کریں گے۔"

جواباً گذارش ہے کہ مسئلہ زیر نزاع تو یہ ہے کہ آیا مسیح خدا ہیں یا خدا کے بھیجے ہوئے نبی و رسول ہیں؟ ان دونوں میں سے ایک کو اختیار کیا جا سکتا ہے۔ مگر پادری عبدالحق صاحب اصل بات سے گریز کر کے اپنی اناجیل کے استعارات اور متشابہات کو پیش کر کے مطالبہ فرماتے ہیں کہ تم مسیح کی یہ شان تسلیم کر لو تو ہم مزید مطالبہ نہ کریں گے۔ جناب پادری صاحب یہ استعارات اگر اپنی موجودہ عبارات میں حضرت مسیح کو نبی مانتے ہوئے قابلِ تسلیم ہوں تو انکار کی وجہ نہیں اور اگر یہ استعارات اپنے ظاہری الفاظ کے لحاظ سے نبوت کے منافی ہیں تو ان کو بلا تاویل ماننا تو کتاب مقدس کو جھٹلانا ہے۔ پس آپ "واک چھل" سے کام نہ لیں۔ صاف صاف یہ طے کریں کہ آیا مسیح نے دعویٰ نبوت فرمایا ہے؟ ہم کچھ حوالے دے چکے ہیں اور متعدد حوالے دے سکتے ہیں کہ مسیح نے اپنے آپکو نبی قرار دیا۔ اب یہ سوال ہے کہ جب حضرت مسیح نبی ہیں تو

خدا کیونکر ہو سکتے ہیں کیونکہ نبی اور خدا میں تباین کی نسبت ہے۔ جو نبی ہے وہ خدا نہیں ہو سکتا اور جو خدا ہے وہ نبی نہیں ہو سکتا۔ نبی کی تعریف یہ ہے: المخبر عن الغیب او المستقبل بالہام من اللّٰہ (المنجد)

کیا پادری صاحب میں ہمت ہے کہ اس دلیل کا جواب دیں اور خاموشی کو توڑ سکیں؟ آپ کے آئندہ پرچہ جات خود بولیں گے۔ جناب عالی! یہ ایک اصولی بات ہے اسلئے ایک ایک حوالہ پر لکھنے کی ضرورت نہیں مگر حرج نہیں کہ آپ کے پیش کردہ آخری حوالہ کو ہم بھی نقل کر دیں، وہ یہ ہے:۔

"ہمیشہ کی زندگی یہ ہے کہ وہ تجھ خدائے واحد اور برحق کو اور یسوع مسیح کو جسے تُو نے بھیجا ہے جانیں" (یوحنا $\frac{17}{3}$)

آئیے ہم خدا کی توحید اور مسیح کی رسالت پر تو متفق ہو جائیں!۔

(۸) پادری صاحب نے لکھا ہے کہ:۔

"احمدی علماء نے مقدس پولوس کا (اکرنتھیوں $\frac{11}{3}$) کا حوالہ پیش کیا ہے جو درحقیقت ابن اللّٰہ کے تجسم کے برخلاف نہیں بلکہ اس کا مؤید ہے"

جناب عالی! یہ تو ع "دل کے بہلانے کو غالب یہ خیال اچھا ہے"۔ ورنہ

آپ نے اِس "درحقیقت" کو بیان کیا ہوتا۔ عبارت یہ ہے: "ہر مرد کا سر مسیح، اور عورت کا سر مرد اور مسیح کا سر خدا ہے۔" اِس سے الوہیتِ مسیح "درحقیقت" کیسے نکل سکتی ہے۔ ذرا بغیر اِدھر اُدھر ہاتھ پاؤں مارنے کے اس کی تفسیر تو کر دکھائیں۔

(۹) پادری صاحب لکھتے ہیں "اگر آپ (اکرنتھیوں ۱۱/۳ اور اتمطاوس ۲/۵) جو خود آپ نے پیش کی ہیں کی سچائی کو مان لیں تو ہم .... انہی آیات سے ابن اللہ کا تجسم ثابت کر دکھائیں گے۔"

ناظرین! اکرنتھیوں ۱۱/۳ کا ذکر اُوپر ۸ میں ہو چکا ہے۔ اتمطاوس ۲/۵ کے الفاظ یہ ہیں: "خدا ایک ہے اور خدا اور انسانوں کے بیچ میں بھی ایک یعنی مسیح یسوع جو انسان ہے۔"

پادری صاحب! ہم دونوں عبارتوں کو درست تسلیم کرتے ہیں۔ آپ پورا زور لگا کر ان سے الوہیتِ مسیح ثابت کر کے دکھائیں مگر یہ شرط ہے کہ حق پرستی اور خدا ترسی سے کام لیکر بات کریں۔ یہ ضروری ہوگا کہ آپ کو اِدھر اُدھر ہاتھ پاؤں مارنے کی اجازت نہ ہوگی۔ اِن دونوں حوالوں تک محدود رہنا پڑے گا کیونکہ ہم بائیبل کے محرّف حصّوں اور اس کی غلط باتوں کے پابند نہیں ہیں۔

(۱۰) ہم نے اپنے پرچہ ۱ کے اخیر پر یوحنا ۱۰/۳۲-۳۶ کو پیش کر کے اپنے مسئلہ

الوہیتِ مسیح کے بارے میں ایک فیصلہ کن حوالہ ٹھہرایا ہے اور تفصیلاً اس پر گفتگو کی ہے۔ ہماری اس ساری بحث پر جناب پادری صاحب "بیں نماقوں" کے انداز میں ارشاد فرماتے ہیں:۔

"یہ دعویٰ بھی کھوکھلا ہے اور آپ نے خداوند یسوع مسیح کے کلام سے ایک لفظ بھی ایسا پیش نہیں کیا جس میں اس نے اپنی الوہیت کا انکار کیا ہو۔"

ناظرین ہمارے پرچہ ملا کے اس حصّہ کو پڑھ کر پادری عبدالحق صاحب کی حق پرستی کی داد دیں۔ پادری صاحب! اتنا اندھیر تو نہ مچائیں۔ جواب نہ آئے تو اعترافِ حق میں کیا ہرج ہے۔

(۱۱) ہم نے ذکر کیا تھا کہ حضرت مسیحؑ کے سامنے یہودیوں نے کہا کہ:۔

"ہمارا ایک باپ ہے یعنی خدا۔" (یوحنا ۸/۴۱)

حضرت مسیحؑ نے انہیں جواب دیا کہ:۔

"تم اپنے باپ ابلیس سے ہو۔" (یوحنا ۸/۴۴)

اسی سلسلہ میں حضرت مسیحؑ کا یہ جواب بھی ہم نے ذکر کیا تھا کہ:۔

"کیا تمہاری شریعت میں یہ نہیں لکھا ہے کہ مَیں نے کہا تم خدا ہو؟ جبکہ اس نے انہیں خدا کہا جن کے پاس خدا کا کلام آیا اور کتابِ مقدس کا باطل ہونا ممکن نہیں۔

آیا تم اس شخص سے جسے باپ نے مقدس کر کے دنیا میں بھیجا۔
کہتے ہو کہ تو کفر بکتا ہے اسلئے کہ میں نے کہا میں خدا کا بیٹا
ہوں۔" (یوحنا ۱۰/۳۴-۳۶)

اس پر ہم نے لکھا تھا کہ :-

"اس بیان سے روزِ روشن کی طرح ثابت ہے کہ حضرت
مسیح کا قول "میں خدا کا بیٹا ہوں" بالکل اسی طرح کا مجازی
کلام ہے جس طرح خدا تعالیٰ کا انبیاء سابقین کیلئے فرمان
"تم الٰہ ہو تم حق تعالیٰ کے فرزند ہو" مجازی تھا خود حضرت
مسیح نے دونوں جملوں کو یکساں اور ہم معنی قرار دیا ہے۔"

آئیے حضرات اب پادری صاحب کا جواب بھی پڑھ لیں لکھتے ہیں :-

"یوحنا ۸/۴۴ میں یہودیوں کو ابلیس کے فرزند قرار دینے
سے خداوند کی ابنیت مجازی نہیں ٹھہر سکتی۔ ہاں اگر آپ یہ
کہنا چاہیں کہ اقنوم اول و اقنوم ثانی کی اضافت کے اظہار
کے لئے باپ اور بیٹے کا لفظ مثالی معنے میں استعمال کیا گیا
ہے تو ہمیں اس سے انکار نہیں۔"

جناب عالی! یہ جواب نہایت ہی کچا ہے۔ اوّل تو آپ نے یوحنا ۱۰/۳۴-۳۶ والے
حصے کو چھوا تک نہیں اور اقنوموں کے جھگڑے کو خواہ مخواہ دخل در معقولات

کے طور پر یہاں لانا چاہتے ہیں حالانکہ حضرت مسیحؑ نے اقنوم کا لفظ تک نہیں بولا۔ جناب پادری صاحب آپ مثالی معنوں کے لفظ سے "پرچانا" چاہتے ہیں یا اپنی بے بسی کو چھپانا چاہتے ہیں اب یہ نہ ہوگا۔ آپ کے لئے کوئی چارہ نہیں کہ جس طرح حضرت مسیحؑ نے انبیاءِ سابقین کو مجازی طور پر "خدا اور حق تعالیٰ کے فرزند" فرمایا ہے اسی طرح آپ حضرت مسیحؑ کی ابنیت کو مجازی مانیں۔ انشاء اللہ جلد یا بدیر ضرور ایسا ہوگا۔ حقائق کا نام "واک چھل" رکھ کر آپ کب تک گریز کرتے رہیں گے؟

آپ کہتے ہیں کہ مسیح نے یہود کی شرارت کو بے اثر کر دیا۔ ہم بھی یہی کہتے ہیں۔ مگر کس طرح؟ آپ لکھتے ہیں کہ :-

"خداوند نے بجائے فضول تکرار کے انہی کے قول کو قبول کر کے کلامِ مقدس (ان کے مسلّمات) سے ان کو لاجواب کر دیا۔"

یہ تو درست ہے کہ حضرت مسیحؑ نے یہود کو کتابِ مقدس سے لاجواب کر دیا۔ اب سوچئے کہ کس طرح لاجواب کیا تھا۔ یہود نے اعتراض کیا تھا کہ "تو آدمی ہو کر اپنے آپ کو خدا بناتا ہے" حضرت مسیحؑ نے جواب میں تسلیم فرمایا کہ مَیں یہ ضرور کہتا ہوں کہ "مَیں خدا کا بیٹا ہوں۔" مگر یہ کفر نہیں، یہ آدمی ہو کر اپنے آپ کو خدا بنانا نہیں کیونکہ کتابِ مقدس

میں پہلے نبیوں کو بھی خدا کے فرزند بلکہ خود خدا قرار دیا گیا ہے اور تم تسلیم کرتے ہو کہ یہ مجازی استعمال کفر نہ تھا اور اس استعمال سے وہ نبی آدمی ہو کر اپنے آپ کو خدا بنانے والے قرار نہیں پائے تو اب بتلاؤ کہ مجھے تم اسی مجازی استعمال پر جو کلام مقدس کا ایک عام محاورہ ہے کیوں یہ کہتے ہو کہ "تو کفر بکتا ہے" اور مجھ پر یہ غلط الزام کیوں لگاتے ہو کہ میں اس استعمال سے گویا آدمی ہو کر اپنے آپکو خدا بناتا ہوں ؟

حضرت مسیح علیہ السلام کی اِس پُر شوکت، مدلّل اور واضح تقریر پر یہودی علماء لاجواب ہو گئے۔ ہمارا تثلیثی پادریوں کے خلاف آج بعینہٖ وہی موقف ہے جو دو ہزار سال پہلے حضرت مسیحؑ کا یہودیوں کے مقابلہ پر تھا۔ اور پادری عبدالحق صاحب اس الزام کو اپنا رہے ہیں جو شریر یہودی علماء نے حضرت مسیحؑ پر از راہِ ظلم لگایا تھا۔ پادری صاحب شائد ہماری باتوں سے ناراض ہوں اسلئے اِس جگہ ایک بڑے معاند سلسلہ احمدیہ پادری اکبر مسیح کا قول پادری عبدالحق صاحب کی خدمت میں عرض ہے۔ لکھتے ہیں :-

"ہم افسوس کرتے ہیں کہ حامیانِ الوہیتِ مسیح یہودیوں کو مسیح کے کلام کی تفسیر میں اپنا ہادی بناتے ہیں!" (تنقیح ص۱۴۰)

ع زسعدی شنو گر زمن نشنوی

اب کیا پادری صاحب اکبر مسیح صاحب کو اسی طرح گالیاں دیں گے جس طرح ہمیں دیتے ہیں؟

(۱۲) پادری صاحب کے پرچہ کی آخری بات یہ ہے کہ:۔

"قرآن شریف سے اس کی مثال یہ ہے۔ قالوا ان انتم الّا بشر مثلنا ـــــ قالت لھم رسلھم ان نحن الّا بشرٌ مثلکم ولٰکن اللّٰہ یمنّ علیٰ من یّشاء من عبادہٖ (ابراہیم) پس یہ طریقِ جواب اسرائیلی انبیاء کا ہے جو قادیانی حکماء کی سمجھ کے بس کا نہیں۔ اصطلاح میں اس کو مجارات علی الخصم کہتے ہیں۔"

کتنے افسوس کا مقام ہے کہ وہ پادری صاحب جنہیں لفظ تک صحیح لکھنا نہیں آتا۔ مجاراۃ کو مجارات لکھ رہے ہیں وہ بھی احمدی علماء کے مُنہ آ رہے ہیں ع

انقلابات ہیں زمانے کے!

جناب پادری صاحب۔ اللہ تعالیٰ آپ کو کچھ فہم قرآن عطا فرمائے آپ ذرا تدبر اور غور فرمائیں۔ کفار نے نبیوں سے کہا

تھا :-

ان انتم الّا بشرٌ مثلنا تریدون ان
تصدّونا عمّا کان یعبد اٰباؤنا
فأتونا بسلطانٍ مبین۔

کہ تم صرف ہماری طرح کے بشر ہو تم چاہتے ہو کہ
ہمیں ہمارے باپ دادوں کے معبودوں سے روک
دو۔ پس تم کھلا کھلا نشان لاؤ۔"

رسولوں نے جواب دیا تھا :-

ان نحن الّا بشرٌ مّثلکم ولٰکنّ اللہ یمنّ
علٰی من یّشاء من عبادہٖ وما کان لنا ان
ناتیکم بسلطان الّا باذن اللہ وعلی اللہ
فلیتوکّل المؤمنون۔

کہ ہم بے شک تمہاری طرح بشر ہیں لیکن اللہ تعالیٰ
اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان فرماتا ہے
(اسے نبی بنا دیتا ہے) ہم بغیر اذن الٰہی تمہارے پاس کھلا
کھلا نشان نہیں لا سکتے۔ اللہ تعالیٰ پر ہی مومنوں کو توکّل
کرنا چاہیے۔"

کیا یہ کفارہ کے مسلمات کو قبول کرنا ہے؟ جملہ ولکن اللہ یمنّ علی من یشاء من عبادہ آپ کی آنکھوں سے کیوں اوجھل ہو گیا؟

آخری درخواست

اب ہم اپنے پرچہ کے آخر میں جناب پادری صاحب سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ خدارا ٹھنڈے دل سے ہماری معروضات پر غور فرمائیں۔ ہم نے تمام پرچہ میں نہایت ادب سے انہیں خطاب کیا ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اگر کہیں وہ مرارۂ حق محسوس کریں تو اسے نظر انداز فرمائیں گے۔ جہاں تک حضرت مسیح علیہ السلام کی عزت اور احترام کا سوال ہے پادری صاحب یقین فرمائیں کہ ہم انہیں برگزیدہ معصوم نبی یقین کرتے ہیں۔ اختلافی مسئلہ صرف یہ ہے کہ آپ لوگوں نے خواہ مخواہ انہیں الوہیت کے عرش پر بٹھا دیا ہے۔ حالانکہ حضرت مسیحؑ زندگی بھر خدائے واحد کی توحید کی منادی کرتے رہے اور اسی خدائے واحد کو پیار سے اپنا اور سب کا باپ اور خدا قرار دیتے رہے۔ حواریوں کو فلسطین کی جدائی کے وقت بھی آپ نے یہی پیغام دیا کہ:۔

"مَیں اپنے باپ اور تمہارے باپ کے اور اپنے خدا اور تمہارے خدا کے پاس جاتا ہوں۔"

(یوحنا ۲/۱۷)

ان کی تبلیغ کا مرکزی نقطہ یہ تھا کہ:۔

"تُو خداوند اپنے خدا کو سجدہ کر اور صرف اسی کی عبادت کر"

(متی ۴/۱۰)

قیامت کے دن بھی وہ تثلیث پرستوں سے بیزاری کا اعلان کرتے ہوئے فرمائیں گے۔ ما قلتُ لھم الّا ما امرتنی بہٖ ان اعبدوا اللّٰہ ربّی وربّکم۔ پس آیئے اور آج ہی مسیح کی الوہیت کا انکار کر کے سچی توحید کو اختیار فرمائیے۔ اللہ تعالیٰ آپ کو توفیق بخشے۔ آمین ثمّ آمین یا ربّ العالمین +

خاکسار

ابوالعطاء جالندھری

۳۰/۶/۶۲

مناظرہ ختم

جاءالحق وزھق الباطل

پادری عبدالحق صاحب کا مناظرہ جاری رکھنے سے انکار

تردید الوہیت مسیح کے متعلق ہمارا مندرجہ بالا (دوسرا پرچہ) پڑھنے کے بعد جناب پادری عبدالحق صاحب نے راہ فرار اختیار کرلی اور مندرجہ ذیل چھٹی لکھ بھیجی۔ جس کا رجسٹرڈ جواب میں نے فوراً ۱۸ جولائی ۱۹۶۲ء کو لکھا۔ پادری صاحب کی طرف سے "صدائے برنخواست" کا معاملہ پاکر ۲ راگست کو آخری اطلاعی چھٹی بھیج دی اور اب طرفین کے صرف دو دو پرچے قارئین کے ہاتھوں میں ہیں۔

پادری عبدالحق صاحب کی چھٹی

پنڈی گرگھر۔ ۱۱ جولائی ۱۹۶۲ء۔ مولوی ابوالعطاء صاحب۔! بعد ما وجب۔

مسوری سے واپس آکر آپ کا پرچہ دیکھا۔ "ہر مناظر تہذیب اور خدا خوفی سے پرچہ لکھے گا۔ غیر متعلق یا ذاتی باتوں میں نہیں الجھے گا" بھی آپ ہی نے لکھا تھا۔ اب کے پرچہ میں آپ نے "کسی عالم سے دریافت فرمالیا کریں" کی تعریض میں ہمارے "ذاتی علم" پر پھبتی کہی ہے ۔ و مرداں چنیں کنند۔

مگر ہماری مشکل یہ ہے کہ احمدی سانچے کے علماء "دارالامان" سے ہجرت کر کے

قادیانی مسیح کے "ربوہ" میں پناہ گزیں ہوئے۔ اور ہندوستان کی قادیانی اُمت میں ہمارے پایہ کا علم سے کورا شخص موجود ہوتا تو ہمارے ساتھ قادیان میں بحیثیت مساوی مناظر کے لئے "ویزا" کا عذر نہ پیش کیا جاتا۔ الحاصل "کسی عالم سے دریافت" کئے بغیر آپ کے ساتھ خط و کتابت کے ذریعہ سے بحث جاری رکھنا مناسب نہیں۔ ازیں جہت ہم اس سلسلہ کو یہیں ختم کرتے ہیں۔ تاکہ آپ کو مذہبی تحقیق کی آڑ میں ہماری پگڑی اُچھالنے کا مزید موقع نہ مل سکے۔ پھر قادیان میں مساوی حیثیت کی شرط سے مشروط تحریری و تقریری مناظرہ تو ہوگا ہی آپ کے اس "احقاقِ حق" کے "جائزہ" کا موقع وہاں ہوگا۔ اور یہ جتا دینا بے محل نہ ہوگا کہ مذہبی مناظرہ میں لفظی تکرار نہ صرف متاہلین (اتھیتھیس ۶ ۴ و ۲۰) بلکہ حکماء کے نزدیک بھی معیوب ہے کیونکہ :- "وضع لغت برائے تفاہم اہلِ عرف است و علوم الٰہیہ و ہمچنیں سائر علوم عقلیہ مستفاد از موضوعات لغوی و متفاہم اہلِ عرف نیست بلکہ مستفاد از براہین عقلیہ است و چوں حکم عقلی از جہت برہان ثابت شد در اطلاق لفظ مناسبتے و تجوزے کافی تواند بود" (گوہر مراد ص ۹۲)

خادم عبدالحق

پادری عبدالحق صاحب کی چٹھی کا میری طرف سے جواب

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ٭ نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم

جناب پادری عبدالحق صاحب! السلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

(۱) آپ کی چٹھی مرقومہ ۱۱ر جولائی ۱۹۶۲ء (از چنڈی گڑھ) پڑھ کر مجھے نہایت افسوس ہوا۔ حیرت اور تعجب بھی۔

پادری صاحب! بلاشبہ یہ درست ہے کہ میں نے اپنے تجویز کردہ "مسودۂ معاہدۂ مناظرات" (۲۲-۵-۶۲) میں یہ شرط بھی لکھی تھی کہ:-

"ہر مناظر تہذیب اور خدا خوفی سے پرچہ لکھے گا غیر متعلق یا ذاتی باتوں میں نہیں الجھے گا۔"

مجھے اس شرط پر اصرار کی ضرورت آپ کے پرچہ ۱ کے ابتدائی "شیریں کلمات" کی وجہ سے محسوس ہوئی تھی مگر آپ نے میری اس شرط کو تسلیم نہ فرمایا بلکہ اس معاہدہ پر دستخط کرنا بھی گوارا نہ فرمایا اور اپنے سابقہ عملی موقف پر مصر رہے۔ میں نے اسے برداشت کیا کیونکہ میں تو احقاقِ حق کی خاطر مناظرہ کر رہا ہوں۔ اور اگر میں شکایت کرتا تو سوال ہوتا ہے کہ کس سے کرتا؟

(۲) پادری صاحب! آپ نے اپنے پہلے خط میں (جو مجھے ۲۰-۱۱-۶۱ کو موصول ہوا تھا) اپنی طرف سے مجھے اور جماعت احمدیہ کو الفاظ ذیل میں خطاب فرمایا تھا:-

"اناپ شناپ، جھوٹ اوڑھنا جھوٹ بچھونا، اور جھوٹ کا مرہانہ، قادیانی ذہنیت کی اختراع، ڈھینگیں تاویلیں، منگھڑت کہانیاں، جاہل، لاابالی باتوں، ابلہ فریبی، افترا پردازی، بے بنیاد ڈینگیں، خود فریبی، ڈینگیں ہانکتے رہنے والی جماعت، شرم کی بات، مطلب براری،

آپ کا سب سے بڑا افترائ جہل مرکب کا شکار۔"

جناب پادری صاحب! جب مَیں نے اس شیریں بیانی پر آپ سے شکوہ کیا تو جناب نے نہایت بے تکلفی سے تحریر فرما دیا تھا کہ:۔

"آپ کو جو میرے گزشتہ مکتوب کے بعض الفاظ کے متعلق شکایت ہے اس کی حقیقی وجہ آپ کی اور میری ذہنیت کا باہمی اختلاف ہے۔"

اس پر مَیں نے سمجھ لیا تھا کہ اس بارے میں پادری صاحب کو توجہ دلانا محض بیکار ہے۔

(۳) پادری صاحب! آپ نے اپنے پہلے اور دوسرے پرچہ میں نہ صرف میرے لئے بلکہ جماعت احمدیہ کے تمام علماء کے لئے بعض درشت اور نازیبا کلمات استعمال فرمائے جنہیں ہم نے آپ کی "ذہنیت" کا نتیجہ قرار دیکر نظر انداز کر دیا۔ مگر یہ حقیقت ہے کہ جب آپ نے بلا وجہ، اور سراسر بے موقعہ، اور محض غلط طور پر ہمارے محبوب آقا حضرت مسیح موعود علیہ السلام کا نام لیکر ان کی "علمی غلطی" کا لفظ لکھا تو ہمیں اللہ تعالیٰ کی وحی "انّی مھینٌ مَن ارادا اھانتک" (تذکرہ) کے مطابق خیال ہوا کہ پادری صاحب نے اس پرچہ میں ضرور بہت لغزشیں کھائی ہوں گی۔ دلائل و براہین تو رہے الگ، سرسری نظر سے دیکھا تو متعدد علمی غلطیاں ایسی تھیں کہ معمولی عالم بھی ان کا ارتکاب نہیں کر سکتا۔ اس پر ہم نے لکھا کہ:۔

"اگر پادری صاحب بُرا نہ مانیں تو ادب سے اتنی عرض ہے کہ وہ

اپنے علمی پرچہ جات میں "(۱) بجلّی علی الرغم (۲) تسمیۃ الشئ باسم مظروف (۳) تسمیۃ الشئ باسم سبب (۴) خدائے حی القیوم (۵) بے اصولاً پرچہ" ایسی فصیح و بلیغ تراکیب درج کرنے کے بارے میں کسی عالم سے دریافت فرمالیا کریں تو اچھا رہے گا۔"

مگر حیرت اور تعجب ہے کہ اصلاحِ اغلاط کی بجائے پادری صاحب اس ناصحانہ مشورہ پر اتنے ناراض ہو گئے ہیں کہ آئندہ مناظرہ بند کر دیا ہے حالانکہ سیدھی بات تھی کہ آپ کہہ دیتے کہ ہم سب سے بڑے عالم ہیں ہمیں کسی سے پوچھنے کی ضرورت نہیں ہم اسی طرح لکھیں گے بہرحال مندرجہ بالا عبارت کے آخری فقرہ کی وجہ سے پادری صاحب مناظرہ بند کرنے میں کسی طرح حق بجانب نہیں حالانکہ انہوں نے آخری چھٹی میں بھی اپنے خاص اسلوب میں" احمدی سانچے کے علماء" وغیرہ الفاظ کے استعمال کرنے میں کسی تحمل سے کام نہیں لیا۔ میرا یقین ہے کہ جب لوگوں کے سامنے سب پرچے جائیں گے تو وہ فوراً سمجھ جائیں گے کہ درحقیقت دلائل سے عاجز آ کر یہ طریق اختیار کیا گیا ہے۔ اندریں حالات میری رائے ہے کہ اب بھی پادری صاحب اپنی بات پر غور کر لیں اور اگر وہ مناظرہ کو جاری رکھنا چاہیں جیسا کہ شروع میں

وہ لکھ چکے ہیں تو زیادہ سے زیادہ مجھے ۳۱ر جولائی ۱۹۶۲ء تک اطلاع دیدیں۔ ورنہ سمجھا جائے گا کہ وہ اپنی چٹھی مورخہ ۱۱ر جولائی کے مطابق مناظرہ بند کر چکے ہیں۔

(۴) پادری صاحب! آپ نے تحریری مناظرہ کو بند کرتے ہوئے "احمدی سانچے کے علماء" کا طنزیہ لفظ لکھنے کے بعد لکھا ہے کہ:۔

"قادیان میں مساوی حیثیت کی شرط سے مشروط تحریری وتقریری مناظرہ تو ہوگا ہی۔ آپ کے اس احقاقِ حق کے جائزہ کا موقعہ وہاں ہوگا"

قادیان میں یہ مناظرہ ہو یا لاہور میں ہو یا چنڈی گڑھ میں ہو۔ یہ تو حالات پر موقوف ہوگا۔ مگر جب آپ اصل تحقیقی تحریری مناظرہ کو بلاوجہ بند کر رہے ہیں اور طنزیہ انداز اختیار کر رہے ہیں تو یہ بات ضرور سوچنے والی ہے کہ اس دوسرے مناظرہ کا فائدہ کیا ہوگا؟ اسلئے براہِ مہربانی اوّل تو آپ مجھے قطعی اور آخری طور پر مطلع فرماویں کہ آیا آپ تحریری تحقیقی مناظرہ کو جو الوہیت مسیحؑ پر جاری ہے اسی طرح جاری رکھنے کے لئے تیار نہیں؟ دوم یہ بھی لکھیں کہ نئے مجوزہ مناظرہ میں آپ یہ شرط ماننے کے لئے تیار ہیں کہ:۔

"ہر مناظر تہذیب اور خدا خوفی سے پرچہ لکھے گا غیر متعلق

یا ذاتی باتوں میں نہیں اُلجھے گا"

اگر آپ نے اس شرط کی پابندی کا اقرار کر لیا تو فریقین کے مسلّمہ عقائد میں سے کم از کم ایک ایک بنیادی عقیدہ پر ضرور مناظرہ ہو جائیگا انشاء اللہ۔ اس کے لئے شرائط کا تصفیہ آپ کی طرف سے مندرجہ بالا امر کے جواب آنے پر ہو سکے گا۔ پس آپ بہر حال پہلے بواپسی مطلع فرماویں کہ آیا آپ الوہیت مسیحؑ کے متعلق پرچہ جات کو جاری رکھنے پر رضامند ہیں یا نہیں؟

خاکسار

ابو العطاء جالندھری

ربوہ

۱۸ $\frac{7}{62}$

نوٹ۔ مَیں چند روز کے لئے کوہ مری جا رہا ہوں مگر آپ ربوہ کے پتہ پر ہی جواب ارسال فرماویں۔ ابو العطاء

پادری صاحب پر اتمام حجت کیلئے آخری اطلاع

بسم اللہ الرحمن الرحیم

جناب پادری عبد الحق صاحب

السلام علیٰ من اتبع الھدیٰ

آج ۲ر اگست ہے۔ مَیں اپنی رجسٹرڈ چٹھی مؤرخہ ۱۸ $\frac{7}{62}$ میں آپ کو مناظرہ جاری رکھنے کی تحریک کرتے ہوئے لکھ چکا ہوں کہ اِس بارہ میں

پادری صاحب کی طرف سے مجھے ۱۲؍جولائی ۱۹۶۲ء تک اطلاع مل جانی چاہیئے" ورنہ سمجھا جائے گا کہ وہ (پادری صاحب) اپنی چٹھی مؤرخہ ۱۱؍جولائی کے مطابق مناظرہ بند کر چکے ہیں۔"

آج تک آپ کی طرف سے اس بارہ میں کوئی اطلاع موصول نہیں ہوئی لہذا اعلان کیا جاتا ہے کہ آپ نے آئندہ پرچہ جات لکھنے بند کر دیئے ہیں اور اس طرح مناظرہ ختم ہو گیا ہے۔ اطلاعاً تحریر ہے۔

خاکسار

ابو العطاء جالندھری

ایڈیٹر الفرقان

ربوہ۔ پاکستان

۲ ۸/۶۲

(ضیاء الاسلام پریس۔ ربوہ)

حضرت میرزا بشیر احمد صاحب مدظلہ العالی کا

گرامی نامہ

(ذیل کا گرامی نامہ حضرت میاں صاحب نے میرے اس عریضہ کے جواب میں تحریر فرمایا تھا جس میں میں نے اس تحریری مناظرہ کے متعلق دعا کے لئے درخواست کی تھی۔ ابوالعطاء)

مکرمی و محترمی مولوی صاحب

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

آپ کا خط موصول ہؤا۔ دعا ہے کہ اللہ تعالی آپ کو مسیحیت کے مقابلہ پر اور توحید کو شرک کے مقابلہ پر فتح عطا کرے۔ آپ اس آیت کے مفہوم کو مدنظر رکھیں جادلھم بالتی ھی احسن۔ یعنی کوئی کمزور بات نہ لکھیں بلکہ پختہ دلیلوں پر بنیاد رکھیں اور خدا سے نصرت چاہتے ہوئے اس کے سامنے عاجزی سے جھکے رہیں۔ اور کسی قسم کے تکبر کا خیال دلمیں نہ لائیں۔ انشاءاللہ حق کی فتح ہو گی۔ اللہ تعالی آپ کا حامی و ناصر ہو اور روح القدس سے آپ کی نصرت فرمائے۔ آمین

نوٹ:۔ جو پرچہ آپ پادری عبدالحق کو بھجوائیں اس کی نقل ضرور رکھیں

والسلام

مرزا بشیر احمد

ماہنامہ الفرقان ربوہ

یہ رسالہ اسلام کے فضائل اور قرآن مجید کے حقائق بیان کرنے کے لئے جاری ہے۔ ادیان باطلہ بالخصوص عیسائیت اور بہائیت کی تردید اس کا نصب العین ہے عیسائیوں کے ہر سوال کا جواب دیا جاتا ہے۔

سالانہ قیمت چھ روپے ہے۔

مینجر الفرقان۔ ربوہ، پاکستان

★ مباحثہ مصر ★

یہ رسالہ قاہرہ کے اس مباحثہ کے کوائف اور دلائل پر مشتمل ہے۔ جو تین پادریوں اور اسلامی مبشر مولانا ابوالعطاء صاحب جالندھری کے درمیان ہوا تھا۔ نہایت مؤثر رسالہ ہے۔ عیسائی پادری اس کے ج

قیمت دس آنے ص

ملنے کا پتہ:- ناظم مکتبہ

کتاب
مصنف
نمبر

ٹائیٹل نصرت آرٹ پریس ربوہ